اپریل ۸۷ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

- انقلاب محمدیؐ کا بین الاقوامی مرحلہ
- حضرت شیخ الہندؒ — ایک بھولی بسری شخصیت
- مسئلۂ سندھ — چند اہم گوشے

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

تازہ، خالص اور توانائی سے بھرپور

پاک پیئور®

مکھن اور دیسی گھی

یونائیٹڈ ڈیری فارمز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
(قائم شدہ ۱۸۸۰) لاہور
۲۲- لیاقت علی پارک ۴- بیڈن روڈ- لاہور، پاکستان
فون: ۲۲۱۵۹۸-۳۱۲۷۵۴

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد ۳۶
شمارہ ۴
شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ
اپریل ۱۹۸۷ء
فی شمارہ -/۵
سالانہ زرتعاون -/۵۰

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مینجنگ ایڈیٹر
اقتدار احمد

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی
حافظ عاکف سعید
مقبول الرحیم مفتی

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوحہ، قطر، متحدہ عرب امارات — ۵۰ سعودی ریال یا ۵۰۰ روپے پاکستانی
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر — ۱۰ امریکی ڈالر یا ۱۰۰ روپے پاکستانی
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ — ۱۵ امریکی ڈالر یا ۱۵۰
شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ — ۲۰ امریکی ڈالر یا ۲۰۰

ترسیل زر: ماہنامہ **میثاق** لاہور، مسلم کمرشل بینک، ماڈل ٹاؤن برانچ
۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴، پاکستان، لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: ۸۵۲۶۸۳-۸۵۲۶۱۱

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی فون ۲۱۶۵۸۶

طابع: چوہدری رشید احمد مطبع: مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح، لاہور

مشمولات

عرضِ احوال ——— ۳

اقتدار احمد

الہُدیٰ (نشست ۴۰) ——— ۱۱

ڈاکٹر اسرار احمد

انقلابِ محمدیؐ کا بین الاقوامی مرحلہ ——— ۲۱

بسلسلہ اسلامی انقلاب: مراحل، مدارج اور لوازم (آخری قسط)

ڈاکٹر اسرار احمد

مسئلہ سندھ: چند اہم گوشے ——— ۳۷

—— پنجاب کیا کرے؟

—— ... گویا یہ بھی میرے دل میں تھا

——

—— سندھ کی صورتِ حال

حضرت شیخ الہندؒ۔ ایک بھولی بسری شخصیت ——— ۵۹

قاری حمید انصاری

الاخوانُ المسلمون ——— ۶۵

یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار کیوں نہیں ہوتی؟

عبدالبدیع صقر

انقلاب کے اجزائے ترکیبی ——— ۷۳

محمد یعقوب

رفتارِ کار ——— ۷۷

مرتب: چوہدری غلام محمد

افکارِ معاصرین ——— ۸۵

'استحکامِ پاکستان' پر 'اردو ڈائجسٹ' کا تبصرہ

افکار و آراء ——— ۸۷

اقتدار احمد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ احوال

ماہِ رواں کے پہلے ہفتے میں تنظیمِ اسلامی کے رفقاء ملک کے دور و نزدیک گوشوں اور بیرونِ ملک سے بھی اپنے بارہویں (۱۲) سالانہ اجتماع کے لئے لاہور میں جمع ہو رہے ہیں۔ سالانہ اجتماعات عام جماعتوں کے لئے چاہے کچھ بھی مفہوم رکھتے ہوں، نظریاتی جماعتوں بالخصوص تحریکوں کے لئے سنگِ ہائے میل ہوتے ہیں۔ ان میں سالِ گذشتہ کی کارکردگی کا تنقیدی جائزہ لینا بھی مقصود ہوتا ہے اور آئندہ سال کے لئے اہداف کا تقرر بھی۔ پھر ساتھیوں کا باہم میل جول اس جذبۂ اخوت، تعلقِ قلبی اور ذہنی ہم آہنگی کے افزائش کا باعث بنتا ہے جو انہیں ایک بنیانِ مرصوص بنانے کے لئے ضروری ہے اور انفرادی و اجتماعی ہر دو سطحوں پر اُن مسائل کے علم سے آگہی میں اضافہ بھی ہوتا ہے جو راہِ حق کی اس مسافرت میں افراد اور اجتماعیت کو دورانِ سال پیش آئے جبکہ وہ حل نشاناتِ راہ کو واضح کرتے ہیں جو مقصد کی لگن نے انہیں سجھائے اور کارگر ثابت ہوئے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ، ثُمَّ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ ہماری اجتماعیت کی بنیاد رضائے الٰہی کا حصول اور نجاتِ اخروی ہے، یہی ہمارا انفرادی اور اجتماعی ہدف اوّلین و آخرین بھی ہے۔ ہم میں سے ہر شخص اسی منزل تک پہنچنے کی آرزو لے کر اس قافلے میں شریک ہوا ہے اور توقع رکھتا ہے کہ ساتھی حصولِ مقصد میں اس کے ممد و معاون ہوں گے۔ اس قافلے کا رُخ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ کی جانب ہے۔ مقدار، تعداد، اسباب اور امکانات کی بھول بھلیوں، حُبِّ عاجلہ کے سراب اور فریبِ خود نمائی کی کھائیوں سے بچتا بچاتا یہ چھوٹا سا قافلہ نہ صرف قدم بقدم آگے بڑھ رہا ہے بلکہ اس میں شامل ہوتے جانے والے اس نسبت سے بفضلہٖ زیادہ ہیں جو ہماری شامتِ اعمال سے اس مردہ معاشرے میں زندگی کی واقعی حرارت رکھنے والوں کی پائی جاتی ہے۔ بایں ہمہ صد شکر کہ ہم زعمِ ہمچو ما دیگرے نیست میں مبتلا نہیں۔ ہماری کمزوریاں صرف ربِّ علیم و خبیر پر ہی روشن نہیں خود ہمیں بھی بے چین رکھتی ہیں۔ اور کتنی مبارک ہے یہ بے چینی! اسی سے تو درماندگی کو مہمیز ملتی ہے، یہی کارواں کے ہر شریک کے لئے رختِ سفر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی غلامی کا قلادہ گلے میں سجا لینے والوں کی کوئی مجلس، کوئی تقریب، کوئی محفل

چار باتوں سے خالی نہیں ہوتی اور یہ لزوم بھی کسی رسم یا رواج کا مرہونِ منت نہیں بلکہ انسانِ کامل، رسولِ خاتم، ہادیٔ اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم، فداہُ اَبی و اُمّی کی تعلیم کے اتباع میں ہے۔ خلوص و اخلاص سے مزین یہی چار فانوس انشاء اللہ ہمارے سالانہ اجتماع کو منوّر رکھیں گے۔ حمد و ثنا، شکر و سپاس، ایثار و ہمدردی اور درون بینی و خود احتسابی۔ ہماری توعیدیں بھی انہیں سے رونق پاتی ہیں۔ اے اللہ تیری خوشنودی کے طالب یہ عاجز بندے تیری عظمت و کبریائی کے ترانے اُن طیور سے بہتر نہیں الاپ سکتے جو صبحدم فضاؤں میں شیرینی گھولتے ہیں۔ تیری قدرت و اختیار کی ہم کو چشم کیا گواہی دیں گے جس کی لامحدودیت پر کائنات کا ذرّہ ذرّہ گواہ ہے۔ تیرے جلال و جمال کی کارفرمائیاں ہمارے تصوّر و تخیّل کی وسعتوں سے ورا ءُ الورا ہیں۔ اے ہمارے رب! ہم تیرے انعاماتِ بیحد و بے حساب کا تو کیا، اس احسان کے شکر کا حق بھی ادا کرنے کے قابل نہیں کہ تو نے اپنے منتخب و برگزیدہ بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری ہدایت اور تعلیم کتاب و حکمت کے لئے مبعوث فرمایا، جس نے جان و دل پر سہم صدمات سہہ کر بھی اپنا فرض منصبی کما حقہٗ نبھایا۔ نہ صرف قرآن حکیم، حبل اللہ الکریم نور و ہدایت کے سرچشمے کو ابدالآباد تک تیرے بندوں کی رہنمائی کے لئے پوری شرح و بسط کے ساتھ سمجھا کر منتقل کیا اور اپنے اسوۂ حسنہ اور سیرتِ مطہرہ کو طالبانِ آخرت کیلئے چراغِ راہ اور مینارۂ نور بنایا بلکہ بنی نوعِ انسان کی دائمی فوز و فلاح کی جنت کا ایسا نقشہ عین زمین کی سطح پر بنا کر دکھا دیا جس کے نقوش گم گشتہ کی تلاش میں انسانیت ہمیشہ کو شاں و سرگرداں رہے گی۔ اے اللہ! اس رحمۃ للعٰلمین کے لئے اپنے اور ملائکہ کے درود و سلام میں ہمارا سلام بھی شامل فرما۔ ربّ ذوالجلال والاکرام! ہمیں اپنی اس نعمتِ خاصہ کا شعور و ادراک بھی عطا کر اور اس پر توفیقِ شکر و سپاس کی بھی ارزانی فرما کہ تو نے ہمیں ہدایت سے سرفراز کر کے اپنے بندوں میں سے دینِ حق کی خدمت کے لئے قبول کیا ہے۔ حقا کہ تیری ذاتِ والا تبار اور تیرا دینِ متین ہماری سعی و جہد کا محتاج نہیں، تیری تکبیر اور تیرے دین کی اقامت اپنی نجاتِ اخروی کے لئے ہماری اپنی ضرورت و احتیاج ہے۔

سالانہ اجتماع کے موقع پر ہمارے وسائل کی کم مائیگی اور بود و باش کی تنگی، رفقاء و شرکاء کی طرف سے ایثار کی طلب ہوگی اور انشاء اللہ اس جذبۂ ایثار کی فراوانی حسبِ سابق امسال بھی نظر آئے گی۔ ہمدردی کے مروّجہ تصوّر کا ذکر تحصیلِ حاصل سمجھتے ہوئے ہم اپنے ساتھیوں کو یاد دلائیں گے کہ جادۂ حق کے ہم سفروں کے مابین رشتۂ ہمدردی کی اصل اور مطلوب شکل یہ ہے کہ ان میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے استقامت و عزیمت کی نعمتِ عظمیٰ سے نوازا ہے وہ اپنے کمزور ساتھیوں کو سہارا دیں۔ مزا تو تب ہے

کہ گرتوں کو تھام لے ساتھی ۔ ان کا حوصلہ استوار کریں۔ ان کے ذاتی وجذباتی مسائل میں دلچسپی لیں۔ اور ان کے دامن کھینچ کھینچ کر اسی دلسوزی سے آگ کے گڑھے میں گرنے سے انہیں بچائیں جو سنّتِ عادتِ خیرالانام ہے ۔

رہی دردِ دل بینی دخود احتسابی ـــــ گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں۔ ہمیں نشستند، گفتند، برخاستند کی لامقصدیت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ اس نادر موقعہ کے قیمتی لمحات میں جو فرصت میسّر آئے اسے ہم اپنے من میں ڈوب کر مقصد سے خلوص کا سراغ پانے میں صرف کریں۔ ہمارا طرزِ عمل یہ ہو تو کامیابی ہے کہ اپنے کسی ساتھی کو سموچا اونٹ نگلتے دیکھ کر بھی اپنے لئے مچھر چھاننا بند نہ کریں، اپنے احتساب میں نرمی روا نہ رکھیں، اپنے نفس کو بقدرِ وسعت سونے کا نوالہ کھلا سکیں تب بھی شیر کی نظر دیکھنا نہ چھوڑیں ـــــ اور اس سارے طلسم کی اصل اسم یہ ہے کہ ربّ العزّت سے ہر حال میں اور ہر دم توفیق واستقامت کی درخواست کرتے رہیں۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ـــــ آمین یارب العالمین!

شمارۂ زیرِ نظر میں مسئلہ سندھ پھر گفتگو کا موضوع بنا ہے ۔ بلکہ اس کے بعض اہم پہلوؤں کے لئے ایک علیحدہ عنوان قائم کیا گیا ہے جس کے ذیل میں متعدد خیال افروز تحریریں آئی ہیں ۔ حاصلِ مطالعہ مؤقر روزنامہ " ڈان " کراچی کا ایک اداریہ اور سندھ کی تاریخ پر ایک پُرمغز مقالہ ہے ۔ اداریے کا ترجمہ اور مقالے کا انگریزی متن ہم ' ڈان ' کے شکریے کے ساتھ شائع کر رہے ہیں ۔ موخرالذکر تاریخی مقالے کا مطالعہ اس کی اصل شکل میں ہی مزا دے گا تاہم اپنے اردو خواں قارئین کے لئے انشاء اللہ اگلے ماہ ہم اس کا ترجمہ بھی نذر کریں گے ۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دیرینہ نیازمند کے تاثرات بھی جو ان کے خیال سے غافل نہیں رہے خود اُن کے اجمالی تعارف کے ساتھ اس پرچے کی زینت ہیں ۔

ہم اپنے امیرِ محترم کی مستقل اور سوچی سمجھی روش کے اتباع میں زمانہ قریب کے بزرگوں کی شخصیتوں اور اُن کے مشن سے اپنے تعلقِ محبّت وعقیدت کو سعادت وافتخار سمجھتے ہیں ۔ امیرِ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اکثر یہ شعر پڑھا کرتے ہیں ؎

اُحِبُّ الصّٰلِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِىْ صَلَاحًا!

میثاق کی جلدیں گواہ ہیں کہ اس مجلّے کا بیشتر مواد دعوت وتاریخِ رجوع الی القرآن ، علمی

مباحث اور ملک وملّت کے درد میں محض اصولی گفتگو اور حقیقت پسندانہ تجزیوں پر مشتمل رہا ہے۔ وقتی مسائل جو جرائد و مجلات کا عمومی موضوع بنتے ہیں ہمارے صفحات میں شاذ ہی جگہ پا سکے ہیں۔ اب ان مشمولات میں "عرضِ احوال" کے زیرِ عنوان بس اسی قدر اضافہ ہوگا کہ احوالِ وطن، امورِ ملّت اسلامیہ اور بساطِ عالم پر بازی گری کا بھی حسبِ ضرورت ذکر کیا جائے گا۔ یہ تبدیلی بھی بے سبب نہیں۔ بحمداللہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا ماہنامہ 'حکمتِ قرآن' جو معدودے چند انتظامی امور میں فرق و تفاوت کے سوا 'میثاق' کا ہی مثنّٰی ہے، اب ماقبل سے بہت بہتر شکل و صورت میں وقیع تر علمی مضامین کے ساتھ نسبتاً زیادہ باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ اس کی اشاعت بھی بڑھ رہی ہے اور قارئین میثاق سے درخواست ہے کہ اس بڑھوتری کو ایک ہلّے میں تیز تر کر دیں۔ 'حکمتِ قرآن' کی توسیعِ اشاعت سے ہم ایک حد تک اس قابل ہوئے ہیں ـــــ اور یہ حد انشاء اللہ حسبِ توقع بڑھے گی ـــــ کہ متذکرہ معاملات پر بھی بتقاضائے نصح و خیر خواہی گاہے گاہے تنظیمِ اسلامی کا نقطۂ نظر پیش کرنے کے لئے 'میثاق' میں گنجائش نکال سکیں۔

عالمِ اسلام میں جہاں ایک طرف ہم دین کے احیائی عمل کو "ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے" کی صورت جاری دیکھتے ہیں وہیں دوسری طرف موجود و محسوس منظر خون کے آنسو بھی رُلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ وہ مبارک دن کب کرۂ ارضی پر طلوع ہو جب اسی کا کلمہ بلند ہوگا اسی کی حاکمیتِ اعلیٰ مسلّمہ ہوگی۔ ہمارا ایمان ہے کہ اس کا وعدہ سچا ہے، پورا تو ضرور ہوگا لیکن کاش ہم بھی اس کیفیت کے کچھ آثار بچشمِ سر دیکھ سکتے۔ اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں۔ لاریب اس کی تقویم ہمارے حساب کتاب اور اندازوں سے بہت بالا ہے۔ تاحال تو عالمِ واقعہ میں جو ہو رہا ہے اس کی ایک جھلک یہ ہے کہ قطعی طور پر غیر مؤثر اسلامی سربراہی کانفرنس کے نام پر مسلمان ممالک کے حکمران ہر تین سال بعد ایک طرح کی پکنک کے لئے جمع ہوتے ہیں اور سب ملا کر وہ اربوں ڈالر خورد و نوش، شاہانہ کرّ و فر اور اسراف و تبذیر پر اڑا دیتے ہیں جو ملّت اسلامیہ کے کئی چھوٹے بڑے مسئلے حل کرنے کے لئے کافی ہو سکتے ہیں۔ اپنے حزن و ملال کے کس کس پہلو کا ذکر کریں، اس وقت صرف ایک ستم ظریفی کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

ان سربراہی کانفرنسوں میں کیسے کیسے 'اسلامی' ممالک کے حکمران تشریف لاتے ہیں، مشتے از خروارے ملاحظہ کیجئے۔ آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کے اُس سب سے بڑے ملک کو

بھی اسلامی شمار کیا جاتا ہے جہاں 'دنیا دار پرست ملاؤں' کے لئے دار دگیر اور عیسائی مبلغین کے لئے وہ سہولت ہے کہ بجا طور پر اندیشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ وہاں مسلمانوں کے اقلیت میں تبدیل ہو رہنے کا سانحہ پیش آ جانا عین قرین قیاس ہے۔ وہ ملک بھی اسلامی ہے جہاں اخوان المسلمون کے زیر اثر آ جانے والی پوری پوری بستیاں مکینوں سمیت بارود سے اڑا دی جاتی ہیں۔ 'قدامت پسند' مسلمانوں کو جوڑ دیجئے سمیت کولہو میں پلوا دیا جاتا ہے۔ اور جس پر ایک ضال و مضل اقلیتی فرقے کے ملحد افراد بزورِ شمشیر حکومت و اقتدار پر قابض چلے آ رہے ہیں۔ اور وہ ملک تو اسلامی ہی نہیں ہمارا ہمدم و دمساز بھی ہے جہاں اس بات پر واقعتاً مقالے میں رپٹ لکھوائی جاتی ہے کہ عمر اکبر نام لیتا ہے کہ خدا کا اس زمانے میں۔ کیا وہاں کے باثر قومی اخبارات کے بدبخت مدیروں کی جسارت کا تصور کیا جا سکتا ہے جو اپنے وطن — ترکی — میں قرآن مجید کے نسخوں کی طباعت پر بھی اظہارِ تشویش اپنے اداریوں میں برملا کر چکے ہیں جبکہ بدنام زمانہ عریانی کے شاہکار اور بدترین فحاشی کے مصور سنڈراس 'ملے ہوائے' کی بر سرِ عام فروخت ہی نہیں خود اپنے ملک سے مقامی زبان میں باقاعدہ اشاعت اُن کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے۔ ہم اس 'برادر اسلامی' ملک کا نام نوکِ قلم پر نہ لاتے اگر خلافت کے ملی ادارے کے آخری امین کی حیثیت سے اسلامیانِ برصغیر کی اس سے جذباتی وابستگی ہمارے حافظے سے محو ہو چکی ہوتی ؎

'ترکی' کا تو نے ذکر جو چھیڑا تو ہم نشین ۔۔۔ اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

طلبہ و طالبات کے ایک ناقابل لحاظ طبقے میں 'مذہب' سے جذباتی وابستگی کے آثار اور مسلمان بچیوں کے ایک مختصر سے گروہ کے اپنے سروں کو 'سکارف' سے ڈھانپ لینے پر صدر کنعان ایورن کی نیندیں اڑ گئی ہیں اسلام کا ذکر اور معاشرے میں جاری و ساری خباثتوں سے تنفر کا جرثومہ ان کے سیکولرازم کے تقدس کے لئے خطرے کا الارم بن گیا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

عوامی چین جس کی سُرخی اب تک گلابی تو ہو ہی چکی ہے، مائل بہ سفیدی بھی ہے، پاکستان کا دوست ملک ہے اور اس کا خلوص — اسباب و علل سے قطع نظر — وقت گذرنے کے ساتھ واقعتاً تشکیک و شبہات سے بالا ثابت ہوا ہے۔ ہماری ریاست سے اس کے سیاسی، معاشی، ثقافتی (اور شاید دفاعی بھی) مراسم روز افزوں ہیں اور ایک دوسرے کے نام نہاد ثقافتی طائفے بھی دونوں ملکوں میں اکثر دیکھے جاتے ہیں۔ ہم اس دوستی کو نیک شگون قرار دیتے ہیں۔ کیوں نہ اسے کسی نیک کام

کے لیے بھی استعمال کیا جائے۔ ہمیں بوجوہ یہ یقین ہے کہ اگر حکومتِ پاکستان چین کے مسلمانوں کی دینی تعلیم کے لیے وہاں کی دوست حکومت سے سہولت طلب کرے تو درخواست رد نہ کی جائے گی۔ راقم الحروف کو وہاں کے مسلمان علاقے سنکیانگ کی صورتِ حال سے تو واقفیت نہیں البتہ وسطی علاقے اور بیجنگ کا ذاتی مشاہدہ حاصل ہے۔ وہاں مساجد واگذار کی جا چکی ہیں جو نہ صرف عمارتی حسن میں دلکش ہیں بلکہ اُن سے ملحق مدارس، دار المطالعے اور دفاتر بھی آراستہ و پیراستہ کیے جا سکتے ہیں لیکن افسوس کہ نمازیوں کو بھی دین کی ابتدائی معلومات تک حاصل نہیں۔ ایک چینی بھائی نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر سنائی تو یہ عاجز سُن ہو کر رہ گیا۔ رہی سہی کسر جہری نماز میں امام صاحب کی قرأت نے پوری کر دی ؏

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملّا　　کارِ طفلاں تمام خواہد شُد

ہماری اپنی حکومت سے مخلصانہ درخواست ہے کہ فی الحال صرف اسی قدر اجازت طلب کر لی جائے کہ ہمارے ہاں سے کچھ اساتذہ پاکستان کے خرچ پر وہاں جا کر مساجد میں متعین ہوں اور بچوں بڑوں کو قرآن مجید پڑھنا سکھائیں۔ یہ بے ضرر آغاز بھی ان شاء اللہ العزیز مبارک ثابت ہوگا۔

مارچ کے آخری عشرے میں پنجاب کی تاحال سب سے بڑی تخریبی کارروائی وسطِ لاہور میں ہوئی۔ اہلحدیث یوتھ فورس کے جلسے میں عین سٹیج پر خوفناک دھماکہ ایک عالمِ دین بمعیت آٹھ بے گناہ مسلمانوں کے جاں بحق ہونے کا باعث بنا۔ اللہ تعالیٰ انہیں مظلومی کی حادثاتی موت کے بدلے مرتبۂ شہادت پر فائز فرمائے۔ مرحومین کے لئے اس سے بڑی کامیابی کیا ہو سکتی ہے۔ البتہ اُن کے لواحقین حکومت اور معاشرے کی توجہ کے مستحق ہیں۔ حکومت پنجاب نے برائے نام امداد کا اعلان کیا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ یہ صرف آغاز ہو ــــ لگ بھگ سو مضروبین بالخصوص علامہ احسان الٰہی ظہیر صاحب کی صحت کاملہ و عاجلہ کے لیے ہم سب دست بدعا ہیں۔ صد شکر کہ علامہ موصوف کے بارے میں ان سطور کے لکھنے تک تشویشناک اطلاعات امید افزا خبروں میں تبدیل ہو چکی ہیں ــــ بموں کے دھماکے اور دیگر تخریبی وارداتیں باقی تین صوبوں میں تو کچھ عرصے سے معمول کی بات بن چکی ہے۔ پنجاب ان کی دسترس سے بچا ہوا تھا مگر اس کو بھی تو نے آخر چرکا لگا کے چھوڑا۔

اس مہلک اور افسوسناک حادثے کی تحقیقات ذمہ دارانِ حکومت شروع کر چکے ہیں اور توقع رکھنی چاہیئے کہ ضابطے کی کارروائی ڈالنے کی بجائے اس کے محرکات کی چھان بین کا حق ادا کیا جائے گا اور مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے میں سرخ فیتہ آڑے نہیں آئے گا۔ لیکن اس طرح کی دوسری وارداتوں سے اس دھماکے کی نوعیت کا یہ اختلاف بہت خوفناک ہے کہ ہیجان جوش میں ہوش

سے عاری نوجوان اسے فرقہ واریت کا رنگ بھی دے سکتے ہیں۔ علمائے کرام اور دینی جماعتوں پر اس سلسلے میں بھاری ذمہ داری کا بوجھ آن پڑا ہے۔ انہیں اس حقیقت کو لوگوں میں عام کرنا چاہیئے کہ ہزار اختلافات کے باوجود بحمد اللہ ہمارے دینی حلقے ایسی سفاکی کو حاشیہ خیال میں بھی جگہ نہیں دیتے۔

آخر میں ہم اپنی اس سبکی، تشویش اور اضطراب کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتے جس کا باعث پاکستان کی حدود میں افغانی طیاروں کی حالیہ کارروائیوں سے ہونے والا عظیم جانی و مالی نقصان ہی نہیں، ملک کا وقار خاک میں مل جانا اور حمیت قومی کا جنازہ نکل جانا بھی ہے۔ کیا ہماری حکومت پاکستان کے مسلمانوں کو بے حوصلگی، بزدلی اور بے غیرتی کی تربیت دینے کا فیصلہ کر چکی ہے!
یا پھر دشمنوں سے یہ کہلوانا مطلوب ہے کہ ع حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے۔ کچھ عرصہ پہلے تک ہمارا موقف یہ تھا کہ ہم اشتعال انگیزی کا مقابلہ تحمل سے کر کے دکھا رہے ہیں۔ اور طرز عمل یہ کہ ہر حملے کے جواب میں ہم افغان ناظم الامور کو اپنے دفتر خارجہ میں طلب کر کے سرزنش کی جھاڑ پلا دیتے تھے ان تقریباً بلاناغہ طلبیوں پر مولانا شاہ احمد نورانی نے برمحل طنز کیا کہ افغان ناظم الامور کو دفتر خارجہ ہی میں ایک کمرہ کیوں نہیں دے دیا جاتا کہ روز روز کی آمد و رفت سے جان چھوٹے۔ تفنن برطرف وہ ایک حد تک سمجھ میں آنے والا انداز تھا۔ لیکن کچھ ہی دنوں پہلے وزیر اعظم پاکستان کے اس واضح اور دوٹوک اعلان نے کہ آج کے بعد کوئی درانداز طیارہ صحیح سلامت واپس نہ جا سکے گا معاملے کی نوعیت کو یکسر تبدیل کر دیا۔ وہ دن اور آج کا دن، افغان طیاروں کی ہمارے علاقوں پر پرواز اور بمباری پہلے سے بھی دوچند ہو گئی ہے۔ اور ہم ہیں کہ ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی تصویر بنے بیٹھے ہیں۔ ۲۳ مارچ کو تو حد ہو گئی۔ دن کے سوا بارہ بجے جب ہمارے ہمہ مقتدر صدر مملکت وزیر اعظم، افواج پاکستان کے چاروں سالار اور جملہ ارباب حل و عقد اپنے معزز مہمانوں اور شائقین کے جلو میں بمقام ریس کورس گراؤنڈ راولپنڈی ایف۔۱۶ کے کرتب دیکھ کر محظوظ ہو رہے تھے عین اسی وقت تری مینگل پر دس افغان طیاروں سے آگ برس رہی تھی۔ اس روز دو حملوں میں ان طیاروں نے عددی اعتبار سے جو جانی نقصان کیا اس کی نظیر موجود نہیں۔ ہم بصد ادب پوچھتے ہیں کہ پھر کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟ کاش ہمارا وہ قیمتی میراج لڑاکا طیارہ اور اس سے بڑھ کر قیمتی ہوا باز سلامی کی فضول رسم نبھاتے ہوئے ضائع ہونے کی بجائے تری مینگل میں دشمنوں سے مقابلے میں کام آتا۔ اور کاش کہ ہمارے ایف۔۱۶ یہ کرتب، یہ پلٹنا جھپٹنا اور یہ قلابازیاں افغان (یا روسی) ہوا بازوں کو دکھاتے۔

اگر آپ کسی اجتماعیت کو تباہ کرنا چاہتے ہیں

تو

- اس کے اجتماعات میں شریک ہونے سے گریز کیجئے۔ مختلف مصروفیات کی آڑ لے کر شرکت سے بچنے کے بہانے تراشیے۔
- اگر کسی اجتماع میں شرکت کرنی ہی پڑ جائے تو دیر سے پہنچنے کی کوشش کیجئے۔
- اگر آپ کو کسی وجہ سے درس اور اجتماع کی بروقت اطلاع نہ دی جا سکے تو ذمہ دار حضرات کو سخت سُست کہئے، لاپرواہ اور غیر ذمہ دار ٹھہرائیے۔
- اجتماعات کے اندر ذمہ دار افراد پر کھلے عام کڑی تنقید اور نکتہ چینی کیجئے، انتظامات پر ناپسندیدگی کا اظہار کرنا نہ بھولیے۔
- بھول کر بھی کسی قسم کی ذمہ داری قبول نہ کیجئے، کسی قسم کا کوئی کام ہرگز نہ کیجئے۔ ہاں کام کرنے والوں پر تنقید ضرور کیجئے۔
- اگر آپ سے کسی مسئلہ پر رائے لی جائے تو ہمیشہ اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے سے گریز کیجئے اور بعد میں لوگوں سے یہ ضرور کہئے کہ اس کام کو یوں ہونا چاہیئے تھا۔ یوں نہیں۔
- اوّل تو مالی اعانت کبھی نہ کیجئے اور اگر مجبوراً کرنی ہی پڑ جائے تو کم سے کم دیجئے۔ مگر سہولتیں اور آسانیاں زیادہ سے زیادہ حاصل کیجئے۔
- دُوسرے کی ذات پر تنقید کا سُنہری موقع کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیجئے، ہمیشہ دُوسروں پر کیچڑ اُچھالنے کی تاک میں لگے رہیئے۔
- ذاتی مفاد کو ہمیشہ اجتماعی مفاد پر ترجیح دیجئے۔

ان نہایت ہی سادہ اور زرّیں اصُولوں پر عمل کر دیکھئے، انشاء اللہ آپ کم سے کم وقت میں کسی بھی منظم تحریک کے تار و پود نہایت آسانی سے بکھیر کر رکھ دیں گے۔!

اور

اگر آپ کسی اجتماعیت کے ساتھ مخلص ہیں۔ اس کو روز بروز ترقی کرتے اور منظم ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں تو للہ ان اصُولوں میں سے کسی ایک کو بھی اپنے پاس نہ پھٹکنے دیجئے۔

(بشکریہ "حبلُ اللہ" کراچی)

پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ ڈاکٹر اسرار احمد کے دروسِ قرآن کا سلسلہ

الھدیٰ

درس نمبر ۱۱

نشست نمبر ۴۰

مباحثِ عمل صالح

بندۂ مومن کی شخصیّت کے خدّوخال

(سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کی روشنی میں)

(۴)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ - اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا ۙ یُّضٰعَفْ لَہُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَیَخْلُدْ فِیْہٖ مُھَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّہٗ یَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ مَتَابًا ۝ (سورۃ الفرقان ۶۸ و ۷۱)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

"اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اور نہ ہی قتل کرتے ہیں کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے - مگر حق کے ساتھ، اور نہ ہی زنا کرتے ہیں - اور جو کوئی یہ کام کرے گا وہ اس کی سزا پا کر رہے گا۔

بڑھایا جائے گا اس کے لئے عذاب قیامت کے دن اور رہے گا وہ اس میں ہمیشہ ہمیش ذلیل و خوار ہو کر۔ سوائے اس کے جو تائب ہوا اور ایمان لایا اور اس نے اچھے عمل کئے تو یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں اور نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو ہے ہی مغفرت فرمانے والا، رحم فرمانے والا، اور جو توبہ کرتا ہے اور عمل اچھے کرتا ہے تو وہی ہے جو توبہ کرتا ہے اللہ کی جناب میں جیسا کہ توبہ کرنے کا حق ہے"

محترم حاضرین اور معزز ناظرین۔ ابھی آپ نے سورۃ الفرقان کے درمیانی حصے سے چار آیات کی تلاوت سماعت فرمائی اور ان کا ترجمہ بھی سنا۔ ان میں سے پہلی دو آیات کے بارے میں گفتگو ہماری گزشتہ نشست میں ہو چکی ہے۔ آج بقیہ دو آیات کے بارے میں ہمیں گفتگو کرنی ہے۔ لیکن چونکہ یہ دو آیات پہلی دو آیات سے مربوط ہیں، لہٰذا ان کا مضمون بھی ذہن میں تازہ کر لینا ضروری ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ پہلی دو آیات میں عباد الرحمٰن کے اوصاف کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی فرمائی کہ اکبر الکبائر یعنی سب سے بڑے کبیرہ گناہ کونسے ہیں۔ چنانچہ ایسے تین جرائم کا تعین کیا گیا جو سب سے بڑے ہیں۔ ان میں اوّلین شرک ہے۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی پکارنا۔ اس کے بعد دوسرا کبیرہ گناہ قتل ناحق ہے۔ بغیر کسی قانونی جواز کے بغیر کسی سبب کے کسی انسان کی جان لے لینا۔ اور تیسرا کبیرہ گناہ زنا ہے۔

میں پچھلی نشست میں عرض کر چکا ہوں کہ اصل میں شرک سے انسان کا نقطہ نظر بنیادی طور پر کج ہو جاتا ہے۔ پھر چاہے انفرادی اخلاق کا معاملہ ہو یا اجتماعی نظام کا معاملہ، جو تعمیر بھی شرک کی بنیاد پر ہو گی وہ کج ہو گی۔

ع خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج   تا ثریا می رود دیوار کج

اور جس معاشرے میں قتلِ ناحق کا رواج ہو جائے، اس میں گویا تمدن کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ انسان جو ایک متمدن حیوان ہے تو اس تمدن کی بنیاد یہی ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی جان و مال اور آبرو کا احترام کریں۔ اور زنا جس کا تعلق انسان کی آبرو سے ہے، یہ وہ فعل ہے جو انسانی معاشرہ کو ایک متعفن سنڈاس بنا کر رکھ دیتا ہے۔ اس میں سے خیر بھلائی، باہمی اعتماد اور مودت و الفت، یہ تمام چیز ختم ہو کر رہ جاتی ہیں۔

فرمایا کہ جو کوئی ان جرائم کا مرتکب ہوگا، اسے سزا مل کر رہے گی: یَلْقَ اَثَامًا اور سزا بھی وہ جو بڑھتی رہے گی، جس میں اضافہ ہوتا رہے گا اور پھر خلود ہے یعنی ہمیشہ ہمیش کے لئے سزا۔ تو یہ نقشہ بعض اعتبارات سے خاصا مایوسی پیدا کرنے والا ہے کہ اگر کسی شخص سے ان میں سے کسی جرم کا ارتکاب ہوا ہو تو گویا یہ صورتِ حال اس کے لئے بڑی مایوس کُن ہوگی۔ مایوسی کے اس اندھیرے میں اگلی دو آیات اُمید کی ایک کرن بن کر نمودار ہوتی ہیں۔

فرمایا: اِلَّا مَنْ تَابَ۔ ہاں جو توبہ کرے وہ بچ جائے گا۔ معلوم ہوا کہ گناہ کے اثرات اشیاء کے مادّی اور طبعی اثرات کی طرح نہیں ہیں کہ ان کا ظہور لازماً ہو۔ جیسے اگر آپ نے آگ میں انگلی دی تو وہ لازماً جل کر رہے گی۔ اب اگر آپ توبہ کریں تو توبہ کرنے سے آگ کا انگلی پر جو اثر ہوا ہے وہ زائل نہیں ہوگا، وہ جل رہے گی۔ اس لئے کہ یہ ایک طبعی اثر (PHYSICAL EFFECT) ہے۔ لیکن اخلاقی جرائم کا یہ معاملہ نہیں ہے۔ اگر کوئی گناہ ہوا ہو، کوئی خطا ہوئی ہو تو لازم نہیں ہے کہ اس کا اثر ضرور ظاہر ہوگا بلکہ اس سے بچاؤ کا ایک راستہ ہے اور وہ درحقیقت توبہ کا راستہ ہے۔ توبہ کی عظمت اور توبہ کی حقیقت کے بیان میں قرآن کا یہ مقام نہایت اہم ہے۔ بلکہ اس اعتبار سے اس کو قرآن مجید کی چوٹی قرار دینا غلط نہ ہوگا۔

پہلے اصولی طور پر یہ سمجھ لیجئے کہ توبہ کی اہمیت کیا ہے! انفرادی اعتبار سے بھی یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ اگر انسان اس مغالطہ میں مبتلا ہو کہ جو خطا مجھ سے ہو چکی ہے، اس کی سزا تو لازماً مجھے بھگتنی پڑے گی تو آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ انسان پر مایوسی مسلط ہو جائے گی اور اصلاح کے لئے جو ہمت اور ارادہ درکار ہے وہ اس میں باقی نہیں رہے گا۔

چنانچہ ایک بہت ہی دلچسپ واقعہ کتب احادیث میں ملتا ہے جو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو سنایا۔ اس حدیث کے راوی حضرت سعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور یہ متفق علیہ روایت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں، ان میں سے کسی اُمت کے ایک فرد کا یہ واقعہ ہے کہ وہ بڑا سفاک قاتل تھا اس نے ننانوے انسانوں کو قتل کیا تھا۔ لیکن پھر اس کی طبیعت میں کچھ تبدیلی ہوئی تو وہ اپنے

ایک بہت بڑے عالم کے پاس گیا۔ اور اس نے کہا میں ننانوے انسانوں کو قتل کر چکا ہوں۔ کیا اب بھی میری مغفرت کا کوئی راستہ کھلا ہے؟۔ اُس عالم نے کہا کہ نہیں۔ تمہاری مغفرت کی اب کوئی سبیل نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس شخص نے اُس عالم کو بھی قتل کر دیا کہ میں ننانوے قتل تو پہلے ہی کر چکا ہوں، سو کیوں نہ پورے کر لوں!۔ پھر اس نے ایک اور بڑے عالم کی طرف رجوع کیا۔ اس نے بتایا کہ نہیں۔ اللہ کی مغفرت و رحمت کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ اگر تم اب بھی صدق دل سے توبہ کرو تو اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ پھر اس عالم نے رہنمائی بھی کی کہ فلاں جگہ چلے جاؤ وہاں تمہیں بہتر ماحول ملے گا۔ تم ابتک جس ماحول میں رہے ہو اُس میں شاید تم اپنی اصلاح نہ کر سکو اگر تم اسی میں رہے تو وہ شخص اس ارادہ سے اُس مقام کی طرف چل پڑا، جس کی رہنمائی اس عالم نے کی تھی کہ درمیان میں اس کی موت آگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جن فرشتوں نے اسکی روح قبض کی تھی، ان میں ایک اختلاف رونما ہوا۔ وہ یہ کہ اس کی رُوح کو عذاب والے فرشتے لے کر جائیں یا جنت والے فرشتے لے کر جائیں! اللہ کی طرف سے حکم آیا کہ راستہ ماپ لو۔ وہ راستہ جس طرف وہ اصلاح احوال کی غرض سے قیام کے ارادہ سے چلا تھا۔ اگر اس راستہ سے کم رہ گیا ہے جو وہ طے کر چکا ہے تو اس کی روح کو جنت کے فرشتے لے کر جائیں۔ بصورت دیگر اُس کی روح کو عذاب والے فرشتے لے کر جائیں۔ راستہ ماپا گیا تو جس مقام کے ارادہ سے وہ شخص چلا تھا وہ راستہ کم پایا گیا لہٰذا جنت والے فرشتے اس کی رُوح کو لے کر برزخ کی طرف روانہ ہوئے۔ توبہ ہے توبہ کا معاملہ انفرادی اصلاح کے ضمن میں کہ جب بھی انسان جاگ جائے، جب بھی ہوش میں آجائے۔ اگر سچے دل سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ نے مغفرت کی اُمید دلائی ہے۔ ایک حدیث میں الفاظ آئے ہیں کہ خواہ اس کے گناہوں کا ڈھیر کوہ اُحد جتنا بلند ہو تب بھی سچی توبہ کے عوض اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا۔ معافی کی یہ بات تو حدیث میں آئی ہے۔ توبہ اور مغفرت کے ضمن میں قرآن مجید کی سب سے زیادہ امید افزا آیت اغلباً سورۃ زمر کی یہ آیت ہے کہ:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

اے نبی فرما دیجیے کہ اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ	اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ،
اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ	اللہ تمام گناہ بخشنے کا اختیار رکھتا ہے
الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ	اور وہ ہے ہی غفور و رحیم، بخشنے
الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝	والا، رحم فرمانے والا۔"

دنیا کے دوسرے مذاہب نے اپنے فلسفۂ اخلاق میں توبہ کے بارے میں بہت ٹھوکریں کھائی ہیں جس کے باعث ان کا نقطہ نظر بہت کج ہو گیا ہے۔ مثلاً۔ ایک عقیدہ یہ ہے کہ حضرت آدمؑ سے جو خطا ہو گئی تھی جب کہ انہیں آزمائشی طور پر جنت میں رکھا گیا تھا اور ایک خاص درخت کا پھل کھانے سے منع کر دیا گیا تھا مگر شیطان کے ورغلانے سے انہوں نے اس درخت کے پھل کو کھا لیا تھا، تو یہ گناہ گویا اب نسلِ آدم میں منتقل ہو رہا ہے۔ نوعِ انسانی کا جو بچہ پیدا ہو رہا ہے وہ پیدائشی طور پر گناہ گار ہوتا ہے، وہ اپنے جدِ امجد کے گناہ کی گٹھڑی لے کر اس دنیا میں آنکھیں کھولتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جہاں یہ غلط عقیدہ ہو گا وہاں اس پر مزید غلطیاں ہونگیں۔ چنانچہ پھر 'کفارہ' کا عقیدہ ایجاد کیا گیا۔ یہ بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ اس کے برعکس قرآن مجید یہ بتاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے غلطی ضرور ہوئی تھی۔ لیکن انہوں نے توبہ کی:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ	اے رب! ہمارے، ہم نے اپنی جانوں
تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ	پر ظلم کیا ہے اب اگر تو ہم کو معاف
مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝	نہیں فرمائے گا اور ہم پر رحم نہیں
(سورۃ الاعراف)	فرمائے گا تو لازماً ہم خسارہ اٹھانے
	والوں میں سے ہو جائیں گے۔"

سورۃ بقرہ میں فرمایا:

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ	"آدم نے کچھ کلمات اپنے رب سے
كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ ۔	تلقّی کئے یعنی حاصل کئے اور ان
(سورۃ بقرہ)	کلمات کے ذریعے اللہ سے جب توبہ
	کی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔"

مزید یہ ہے کہ توبہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی کتب احادیث

میں موجود ہے:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ "جو کوئی کسی گناہ سے توبہ کر چکا اس
کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ۔ کے لئے کوئی گناہ ہے ہی نہیں"

گویا وہ ایسے ہے جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں تھا۔ لہٰذا اب اس کا کوئی سوال نہیں ہے کہ نسلِ آدمؑ کا ہر بچہ پیدائشی طور پر گناہ گار ہو۔ معاذ اللہ۔ قرآن مجید کا تو فیصلہ یہ ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ "اللہ کی وہ فطرت جس پر اُس نے
النَّاسَ عَلَیْهَاؕ انسان کو پیدا کیا ہے"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل مولود یولد علی الفطرۃ ....الخ
——— یعنی نسلِ آدم کا ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے وہ تو اس کے والدین ہیں جو اُسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ پس یہ بڑا عظیم فرق و تفاوت ہے قرآن مجید کے فلسفہ میں اور بعض دوسرے مذاہب کے فلسفہ میں۔

اب ہمیں اس بات کو سمجھنا ہے کہ توبہ کی شرائط کیا ہیں! یہ ہے اصل معاملہ۔ صرف زبان سے کہہ دینے سے توبہ نہیں ہو جائے گی۔ توبہ کی چند شرائط ہیں، اس کے کچھ لوازم ہیں۔ اگر وہ شرائط پوری نہ ہوں تو چاہے آدمی توبہ کی تسبیح پر تسبیح پڑھتا ہے اور صرف زبانی طور پر استغفار کا کتنا ہی ورد کرتا رہے اسے توبہ نہیں کہا جائے گا۔ چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بہت بڑے محدث گزرے ہیں، ان کی حدیث کی ایک مشہور کتاب ہے ریاض الصالحین۔ اس میں انہوں نے توبہ کے باب میں علمائے اُمت کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ اگر توبہ کسی ایسے گناہ کے ضمن میں ہو کہ جو حقوق اللہ سے متعلق ہے تو اس کے صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں۔ لیکن اگر کوئی گناہ حقوق العبادُ کے ضمن کا ہے تو ایک اضافی شرط مزید شامل ہو جائے گی پہلی تین شرائط حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں میں مشترک ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ انسان کے دل میں سچی اور حقیقی ندامت ہو کہ میں جو کچھ کرتا رہا ہوں، غلط کرتا رہا ہوں۔ اس میں واقعی پشیمانی ہو۔ اس حقیقت کو نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے اقبالؔ نے اپنے نوعمری کے دور کے اس شعر میں جسے داغ دہلوی

نے بہت پسند کیا تھا اور داد دی تھی کہ ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

تو اللہ کو بندے کی یہ پشیمانی اور ندامت بہت محبوب ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ عزمِ مصمم ہو کہ اب یہ کام دوبارہ نہیں کروں گا۔ تیسری شرط ہے کہ فی الواقع عملاً اُس گناہ کو ترک کر دے اور عملِ صالح کی روش اختیار کرے یہ تین شرطیں وہ ہیں جو حقوق اللہ کے ضمن کے گناہوں سے متعلق ہیں ــــ اضافی چوتھی شرط حقوق العباد کے معاملے میں ہے۔ وہ یہ کہ اگر کسی انسان کا حق مارا ہے تو اس کی تلافی کرے۔ کسی کا مال ہڑپ کیا ہے تو وہ مال واپس کرے یا اُس سے معافی طلب کرے۔ کسی کی غیبت کی ہے تو اس کے پاس جا کر معافی چاہے۔ کسی پر ظلم کیا ہے تو اس کے لئے مظلوم سے عفو اور درگزر حاصل کرے۔ اس لئے کہ یہ جو حقوق العباد ہیں انہیں اللہ تعالےٰ معاف نہیں فرمائے گا۔ اگر اس دنیا میں ان بندوں سے جن کی حق تلفی کی گئی ہے معافی حاصل نہیں کی جاتے گی تو آخرت میں نیکیوں اور گناہوں کا لین دین ہوگا۔ یعنی ظلم اور زیادتی کرنے والے شخص کی نیکیاں اُس شخص کو دے دی جائیں گی، جس کے حق پر اس دنیا میں دست درازی کی گئی تھی یا جس پر ظلم کیا گیا تھا۔ اگر زیادتی کرنے والے کی نیکیوں کا سرمایہ ختم ہو جائے گا تو پھر مظلوم کی بدیاں ظالم کے وزنِ اعمال کے پلڑے میں ڈال دی جائیں گی۔

چنانچہ اس آیت پر غور کیجئے فرمایا: اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا۔ یہاں صرف ایک لفظ تَابَ، نہیں آیا۔ بلکہ اس کے ساتھ ایمان اور عمل صالح کا ذکر بھی ہے ــــ توبہ کے معنی ہیں لوٹنا، پلٹنا، رجوع کرنا۔ تو فرمایا: مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ ــــ "جو توبہ کرے اور ایمان لائے" اس کے دو مفہوم ہوں گے۔ ایک یہ کہ اگر وہ پہلے کافر تھا، اب ایمان لا رہا ہے تو وہ بھی کفر سے پلٹنے اور ایمان لانے کے اعتبار سے ان الفاظِ مبارکہ کے ذیل میں آجائے گا ــــ دوسرا یہ کہ اگر وہ مسلمان تھا اور مسلمان ہوتے ہوئے بھی گناہ کر رہا تھا تو درحقیقت اس گناہ کی وجہ سے جو قلبی یقین والا ایمان ہے وہ زائل ہو گیا تھا۔ اب جب وہ توبہ کر رہا ہے تو گویا تجدید ایمان کر رہا ہے۔ اس کے دل میں از سرِ نو ایمان داخل ہو رہا ہے۔ جیسا کہ ایک

حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو ایمان اس کے دل سے نکل کر اس کے سر پر منڈلاتا ہے پرندے کے مانند۔ اب اگر وہ توبہ کرتا ہے تو ایمان اُس کے دل میں لوٹ آتا ہے"۔ لہٰذا جب ایمان دل میں ہو تصدیق قلبی والا ایمان، یقین والا ایمان۔ تو اس کے اثرات لازماً عمل پر مترتب ہوں گے اور وہ درست ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ توبہ کے فوراً بعد ایمان اور عمل صالح کا ذکر کیا گیا۔ پھر اس توبہ، تجدید ایمان اور اعمال صالح کے مرتبہ اور مقام کا ذکر بایں الفاظ مبارکہ فرمایا: فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ "پس ایسے لوگوں کے نامہ اعمال میں سے اللہ ان کی برائیوں کو محو فرما کر ان کی جگہ نیکیوں کا اندراج فرما دے گا"۔ یہ ہے اللہ کی نگاہ میں توبہ کی عظمت۔ اس آیت کا اختتام ہوتا ہے ان الفاظ مبارکہ پر: وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا "اور اللہ تو ہے ہی بخشنے والا، رحم فرمانے والا"۔ اس کی ذات والا صفات میں مغفرت و رحمت کی شانیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ لہٰذا ایک مومن کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ گناہ کی معافی کے لئے اس کی رحمت و مغفرت کے دروازے لوگوں کے لئے ہر وقت کھلے ہوئے ہیں۔ بشرطیکہ وہ اس کی جناب میں پورے لوازم و شرائط کے ساتھ توبہ کرے۔

اگلی آیت میں اس بات کو پھر دہرایا: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ عمل صالح توبہ کی شرط لازم ہے۔ انسان توبہ توبہ کہتا رہے اور عمل وہی رہے جو پہلے تھا تو یہ توبہ نہیں ہے۔ یہ تو اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ جو شخص توبہ کرے اور عمل درست کرے تو وہ ہے کہ جو اللہ کی جناب میں توبہ کرتا ہے جیسے کہ توبہ کرنے کا حق ہے۔ چنانچہ فرمایا: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝

تو آج ہم نے قرآن مجید اور دین اسلام کے فلسفہ و حکمت کی ایک اہم بات پر، یعنی توبہ کی عظمت، اس کی اہمیت اور حقیقت پر غور کیا۔ اس ضمن میں اگر کوئی سوال ہو تو میں حاضر ہوں۔

سوال و جواب

سوال: ڈاکٹر صاحب! آپ نے کچھ گناہ کبیرہ ایسے بتائے جن کی معافی توبہ

سے ممکن ہے۔ کیا کسی انسان سے ایسے گناہ بھی سرزد ہو سکتے ہیں جن کی توبہ سے معافی ممکن نہ ہو؟

جواب : جی نہیں۔ ایسا کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہاں جو گناہ بیان کیئے گئے تھے، وہ تو سب سے بڑے گناہ ہیں۔ لہٰذا ان سے بڑے کسی اور گناہ کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ یعنی شرک اور قتل ناحق اور زنا۔ اگر ان کی بھی معافی ہے بشرطیکہ انسان حقیقی و واقعی توبہ کرے تو معلوم ہوا کہ دوسرے تمام گناہوں کو بھی اللہ تعالیٰ توبہ کے نتیجے میں بخش دے گا۔ چونکہ اللہ تعالےٰ الغفور الرّحیم ہے۔

سوال : ڈاکٹر صاحب! ہم جو روزانہ صغیرہ گناہ کرتے ہیں، جیسے جھوٹ بولتے ہیں، غیبت کرتے ہیں اور بہت سے گناہ کرتے رہتے ہیں تو اُن کی معافی کی صورت کے متعلق کچھ بتائیے؟

جواب : یہ غلط فہمی نہ ہو کہ جھوٹ اور غیبت صغیرہ گناہ ہیں۔ اس وقت اس گفتگو کا موقع نہیں ہے کہ میں کبیرہ گناہوں کی فہرست بیان کروں۔ البتہ صغیرہ گناہوں کے متعلق اصولاً ایک بات جان لیجئے کہ انسان جب نیک اعمال کرتا ہے تو صغائر خود بخود دُھلتے چلے جاتے ہیں۔ قرآن میں بیان ہوا ہے کہ:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ط — بلاشبہ نیکیاں بُرائیوں کو دُور کر دیتی ہیں"

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان جب وضو کرتا ہے تو وہ صغیرہ گناہ جو ہاتھ سے سرزد ہوئے ہیں وہ دُھل جاتے ہیں۔ اسی طریقے سے وہ اپنے جسم کے جس عضو کو بھی وضو میں دھوتا ہے تو جو گناہ بھی اُس عضو سے متعلق ہیں وہ زائل ہو جائیں گے۔ تو معلوم ہوا کہ صغیرہ گناہ انسان کے نیک اعمال کے طفیل بغیر توبہ کے بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

سوال : ڈاکٹر صاحب! ایک شخص اُس وقت کسی گناہ سے توبہ کرتا ہے جب اس میں گناہ کرنے کی سکت نہیں رہتی یا جب اُسے موت یقینی نظر آنے لگتی ہے تو ایسے شخص کی توبہ کے بارے میں کچھ فرمائیں؟

جواب : اس ضمن میں جو الفاظ آئے ہیں وہ یہ ہیں: "مَالَمْ یُغَرْغِرْ" جب

تک موت کے آثار شروع نہیں ہوجاتے اس وقت تک توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ یعنی انسان کو ابھی زندگی کی اُمید ہو اور وہ گناہوں سے تائب ہو رہا ہو تو اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت ہے اور یہ اسکی شان کریمی وغفاری ہے کہ اس وقت تک بھی انسان کے لئے توبہ کی قبولیت کا امکان باقی رہتا ہے۔ البتہ آپ نے سکت کے متعلق جو بات پہلے کہی ہے تو اس کے متعلق اصولی طور پر یہ بات جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس انسان میں اب سکت رہی ہے یا نہیں رہی ہے۔ بہرحال مولانا حالی مرحوم کا ایک بڑا پیارا شعر ہے جو میں آپ کو سنا دیتا ہوں جو اسی مضمون کو ادا کر رہا ہے کہ ؎

رُکا ہاتھ جب پارسا ہوگئے ہم نہیں پارسائی یہ ہے نارسائی

تو یہ نارسائی والی جو پارسائی ہے، اس کا اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی اجر نہیں ہے۔ اگر سکت نہ ہونے کی وجہ سے کوئی انسان گناہوں سے تائب ہوا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ لیکن سکت ہونے نہ ہونے کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے

حضرات! آج توبہ کے مضمون پر ہم نے کافی باتیں سمجھی ہیں۔ قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں بھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں بھی ہمارا یہ سارا سننا سنانا بیکار ہوگا اگر ہم اسے محض علمی طور پر اپنی معلومات کا ایک ذریعہ بنالیں۔ آج ہمیں یہ عہد کر کے یہاں سے اٹھنا چاہیئے کہ جو جو بھی ہمارے اندر خامیاں ہیں، جس جس پہلو سے بھی ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اوّلین فرصت میں صدق دل کے ساتھ اُس سے توبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ضرورتِ رشتہ

ایک دین دار میٹرک پاس ۳۰ سالہ دوشیزہ کے لئے مناسب **رشتہ** درکار ہے۔

معرفت: ماہنامہ میثاق، ۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴

اسلامی انقلاب: مراحل، مدارج اور لوازم (آخری قسط)

انقلابِ محمدیؐ کا بین الاقوامی مرحلہ

ڈاکٹر اسرار احمد

(ترتیب و تسوید: شیخ جمیل الرحمٰن)

دیگر سلاطین کے نام حضورؐ کے نامہ ہائے مبارک

میں نے اُن سلاطین و سرداران کے ناموں میں سے چند اہم نام آپ حضرات کو سنائے تھے جن کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نامہ ہائے مبارک ارسال کئے تھے، ان میں سے قیصر اور کسریٰ کا ردِّ عمل میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں۔ اب چند دیگر سلاطین کا ردِّ عمل آپ کے گوش گذار کرتا ہوں:

عزیزِ مصر (مقوقش): اُس وقت مصر میں مقوقش نامی شخص کی حکومت تھی جو قیصرِ روم کے زیرِ اثر تھا۔ موجودہ اسکندریہ اس کا دارالحکومت تھا۔ قیصر کی طرح مقوقش بھی عیسائی تھا اور صاحبِ علم شخص تھا۔ وہ ایمان تو نہیں لایا لیکن اُس نے حضورؐ کے قاصد حضرت حاطبؓ کا اعزاز و اکرام کیا۔ اور اُس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کے جواب میں عربی میں یہ خط لکھا۔

"لمحمد بن عبد اللہ من المقوقس عظیم القبط سلامٌ علیک اما بعد فقد قرات کتابک وفهمت ما ذکرت فیه وما تدعو الیه وقد علمت ان نبیا بقی وکنت اظن ان یخرج من الشام وقد اکرمت رسولک وبعثت الیک بجاریتین لهما مکان من القبط عظیم وکسوة واهدیت الیک بغلة لترکبها والسلام علیک۔"

(ترجمہ) "محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام مقوقش رئیس قبط کی طرف سے۔ سلام علیک کے بعد میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس کا مضمون اور مطلب سمجھا، مجھ کو اس قدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن میں سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظہور کریں گے۔ میں نے آپؐ کے قاصد کی عزت کی۔ اور دو لڑکیاں بھیجتا ہوں جن کی قبطیوں میں (مصر کی قوم) بہت عزت کی جاتی ہے۔

اور میں آپ کے لئے کپڑا اور سواری کے لئے ایک خچر (بطور ہدیہ) بھیجتا ہوں والسلام"
مقوقش نے جو دو لڑکیاں بھیجی تھیں، وہ کنیزیں یا لونڈیاں نہیں تھیں بلکہ شاہی گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ دونوں اثنا سفر ہی میں حضرت حاطبؓ کی تبلیغ و تعلیم سے ایمان لے آئی تھیں۔ ان میں ایک حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں شامل ہوئی ہیں۔ دوسری جن کا نام سیرینؓ تھا حضرت حسانؓ کے حبالہ عقد میں آئیں۔ یہ دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔ خچر کا نام دلدل تھا۔ جنگ حنین میں حضورؐ اسی پر سوار تھے۔

نجاشی شاہِ حبشہ: علامہ شبلیؒ نے اپنی تحقیق کے مطابق نجاشی کے متعلق جو لکھا ہے، وہ میں ان کی کتاب کے حوالے سے آپ لوگوں کو سنا دیتا ہوں۔ میں اپنے طور پر اس ضمن میں کوئی تحقیق نہیں کر سکا ہوں۔ علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں:

"نجاشی بادشاہ حبش کو آپؐ نے دعوتِ سلام کا جو خط بھیجا، اس کے جواب میں اس نے عریضہ بھیجا کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ خدا کے سچے پیغمبر ہیں"۔ حضرت جعفرؓ طیار جو ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے، یہیں موجود تھے۔ نجاشی نے ان کے ہاتھ پر بیعت اسلام کر لی۔ ابن اسحٰق نے روایت کی ہے کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساٹھ مصاحبوں کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں عرضِ نیاز کے لئے بھیجا، لیکن جہاز ڈوب گیا اور یہ سفارت ہلاک ہو گئی"۔

علامہ شبلیؒ نے یہ روایت طبری کے حوالے سے لکھی ہے۔ آگے علامہؒ لکھتے ہیں:

"عام اربابِ سیر لکھتے ہیں کہ نجاشی نے ۹ھ میں وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف رکھتے تھے اور یہ خبر سن کر آپؐ نے غائبانہ اس کے جنازے کی نماز پڑھائی لیکن یہ غلط ہے۔ صحیح مسلم میں تصریح ہے کہ جس نجاشی کی نمازِ جنازہ آپؐ نے پڑھی وہ یہ نہ تھا"۔

ان تین عیسائی بادشاہوں کے طرزِ عمل کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ انہوں نے نہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی اور نہ ہی حضورؐ کے نامہ گرامی کی کوئی توہین کی بلکہ ہرقل قیصر روم کے رویہ سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ کسی طرح اس کی پوری مملکت اجتماعی طور پر اسلام کی دعوت قبول کر لے لیکن اس کوشش میں وہ ناکام ہو گیا اور اپنے اقتدار کے تحفظ کی خاطر دولتِ ایمان سے محروم رہ گیا۔

کسریٰ ایران: ایران میں اس وقت خسرو پرویز برسرِ سلطنت تھا اور پچھلے شہنشاہوں کی

طرح "کسریٰ" کے لقب سے ملقب تھا۔ اس کا طرزِ عمل اس کے بالکل برعکس تھا۔ وہ مجوسی یعنی آتش پرست تھا اور وحی، نبوّت اور رسالت کے بارے میں قطعی لاعلم تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا نامۂ مبارک پڑھ کر نہایت برہم ہوگیا اور اس نے نہایت تحقیر آمیز رویّہ اختیار کیا۔ اس کے ردِّعمل کو قدرے تفصیل سے بیان کرنے سے قبل میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا نامۂ مبارک سن لیں جو علّامہ شبلی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس سلامٌ علیٰ من اتبع الھدیٰ و اٰمن باللہ ورسولہ وَاشھد ان لا الٰہ الا اللہ وَانی رسول اللہ الی الناس کافۃ لینذر من کان حیًّا اَسْلِمْ تَسْلَمْ فان ابیت فعلیک اثم المجوس"

"خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے، محمد پیغمبرِ خدا کی طرف سے کسریٰ رئیس فارس کے نام سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو، اور خدا اور اس کے پیغمبر پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ خدا صرف ایک خدا ہے اور یہ کہ خدا نے مجھے تمام دنیا کا پیغمبر مقرر کر کے بھیجا ہے تاکہ وہ ہر زندہ شخص کو خدا کا خوف دلائے۔ تو اسلام قبول کر تو سلامت رہے گا ورنہ مجوسیوں کا وبال (بھی) تیری گردن پر ہوگا۔

خسرو پرویز کا غرور اور گستاخی: بادشاہت کا نشہ کچھ ایسا ہوتا ہے کہ عام طور پر ہر بادشاہ مغرور ہو ہی جاتا ہے لیکن خسرو پرویز بہت زیادہ مغرور تھا۔ اس کے دور میں دربار کو جو عظمت و شوکت اور جلال حاصل ہوا اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ اس کے نام حضورؐ کا نامہ مبارک لے کر حضرت عبداللہ بن حذافہؓ گئے تھے۔ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھے جاتے تھے ان میں بادشاہ کا نام پہلے ہوتا تھا اور مکتوب نگار کا بعد میں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نامہ مبارک کی ترتیب یہ تھی کہ پہلے بسم اللہ پھر خود حضورؐ کا اسمِ گرامی تھا اور پھر کسریٰ کا نام تھا۔ یہ دیکھ کر کسریٰ آگ بگولہ ہوگیا۔ اور اس نے غیظ و غضب سے مغلوب ہوکر نہایت گستاخانہ رویہ اختیار کیا۔ نقل کفر کفر نہ باشد، اس نے حضرت عبداللہ سے کہا کہ "اگر تم قاصد نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کرا دیتا، تمہارے صاحب کی یہ جرأت کہ میرے غلام ہوتے ہوئے میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھا۔ ایسا گستاخ شخص! میں ابھی اس کی گرفتاری کا فرمان جاری کرتا ہوں اور اسے بلوا کر اپنے دربار میں اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔" ان گستاخانہ کلمات کے ساتھ اس نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا

(حاشیہ اگلے صفحے پر)

نامہ مبارک چاک کر ڈالا۔

نبی اکرمؐ کی پیشینگوئی: بعد میں جب حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس گستاخی کی خبر پہنچی کہ کسریٰ نے آپؐ کا نامہ مبارک چاک کر دیا تو آپؐ نے بطور پیشین گوئی فرمایا کہ "اس نے میرا خط نہیں پھاڑا، اپنی سلطنت کے پرزے اڑا دیئے"۔ یہ تو ابھی عالم غیب کی بات تھی۔ آئندہ کے واقعات وحالات میں سے جتنا اور جس قدر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اُن سے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مطلع فرما دیتا ہے لیکن اُس وقت عالَم واقعہ میں تو کیفیت یہ تھی کہ سلطنت کسریٰ موجود ہے اس کی لاکھوں کی فوج ہے۔ اس کی سلطنت لاکھوں میل پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی سطوت، شان وشوکت اور رعب و دبدبہ ہے۔ اس کے پرزے ہونے تو شروع ہوں گے چند سال بعد خلافت فاروقی کے دور میں اور اس کی تکمیل ہوگی خلافتِ عثمانی کے عہد خلافت کے ابتدائی تین چار سالوں میں۔ لیکن حضورؐ نے اسی وقت پیش گوئی فرما دی کہ کسریٰ کی سلطنت کے پرخچے اڑ جائیں گے اور اس کا نام تک باقی نہیں رہے گا۔[۲]

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

[۱] یمن میں اس وقت ایران کی حکومت تھی اور ایران کے بادشاہ پورے عرب کو اپنا زیر نگیں علاقہ سمجھتے تھے اور اسے اپنی قلمرو کا حصہ گردانتے تھے۔

[۲] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں مدینہ کی جانب ہجرت فرما رہے تھے تو سراقہ بن جعشم سو اونٹوں کے لالچ میں جس کا اعلان ابوجہل نے کیا تھا حضورؐ کی تلاش میں نکلا۔ راستہ میں اس نے آپؐ کو دیکھ لیا۔ اس نے آپؐ کی طرف تین مرتبہ گھوڑا دوڑایا لیکن ہر مرتبہ گھوڑے کے پیر ریت میں دھنس گئے۔ اس کے دل میں آپؐ کی ہیبت طاری ہوگئی اور اس نے حضورؐ سے امان طلب کی۔ حضورؐ کے فرمان پر حضرت ابوبکرؓ نے امان کی تحریر لکھ دی۔ حضورؐ نے امان کی دستاویز سراقہ کو دیتے ہوئے فرمایا "اے سراقہ! میں تیرے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں"۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی موقع پر ایران پر غلبے کی پیشین گوئی فرما دی تھی۔ خلافتِ فاروقی کے دَور میں سراقہ جو اسلام لا چکے تھے شدید بیمار ہوئے۔ لوگ ان کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ وقت ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور ان کو تسلی دی۔ حضرت سراقہ نے کہا "یا امیر المؤمنین، میں ابھی مرنے والا نہیں ہوں۔ حضورؐ نے میرے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن دیکھے تھے۔ خدا کی قسم جب تک حضورؐ کی یہ پیشین گوئی پوری نہ ہو میں نہیں مروں گا"۔ ایران کا دار الحکومت مدائن جب فتح ہوا تو مال غنیمت

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خسرو پرویز کا انجام: میں عرض کر رہا تھا کہ عیسائی بادشاہوں کے رویہ کے بالکل برعکس خسرو پرویز نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد اور آپؐ کے نامہ مبارک کے ساتھ گستاخانہ معاملہ کیا۔ نامہ مبارک کو چاک کر دیا۔ قاصد کو ڈرا دھمکا کر واپس کر دیا۔ اس نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ چونکہ اس دور میں یمن اس کی قلمرو میں شامل تھا چنانچہ اس نے اپنے گورنر کو جو ایرانی تھا فرمان بھیجا کہ "یہ مدینہ کا کون گستاخ شخص ہے جس نے میری شان میں ایسی گستاخی کی ہے اور جو نبوت کا مدعی ہے اسے فوراً گرفتار کر کے میرے دربار میں حاضر کرو"۔ باذان گورنر یمن نے اپنے دو آدمیوں کو مدینہ بھیجا۔ ان دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر کہا کہ ہمارے شہنشاہ نے آپؐ کو طلب کیا ہے۔ اگر حکم کی تعمیل نہیں کرو گے تو وہ آپؐ کو اور آپؐ کے پورے ملک کو تباہ و برباد کر دے کے رکھ دے گا۔ حضورؐ مسکرائے اور فرمایا کہ رات کو آرام کرو، صبح کو بات ہوگی۔ صبح جب وہ آئے تو حضورؐ نے فرمایا کہ تمہارا بادشاہ سلامت رات کو اپنے بیٹے (شیرویہ) کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے۔ اب تم واپس جاؤ اور اپنے گورنر سے کہہ دینا کہ جلد ہی اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہنچے گی۔ چنانچہ خسرو پرویز کا یہ انجام ہوا کہ اپنے ہی بیٹے کے ہاتھوں مارا گیا۔ جس کی خبر حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے پہنچائی۔

ایک نمایاں فرق: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ سعید ہی سے اس دور کی دونوں عظیم سلطنتوں یعنی قیصر و کسریٰ سے چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی تھی جس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دورِ خلافت میں باقاعدہ جنگوں کی صورت اختیار کر لی جن کے دو علیحدہ علیحدہ نتائج نکلے۔ وہ یہ کہ جہاں تک قیصر روم کا تعلق ہے تو اگرچہ وہ شام کے پورے علاقوں سے بالکل بے دخل کر دیا گیا تھا۔ ایشیائے کوچک کا تھوڑا سا علاقہ اس کی قلمرو میں باقی رہ گیا۔ اور اگرچہ وہ شمالی افریقہ کے پورے علاقے از مصر تا مراکش بے دخل کر دیا لیکن اس کی حکومت بالکل ختم نہیں ہوئی۔ بلقان کی ریاستوں میں اس کا اقتدار قائم رہا۔ قسطنطنیہ جو اس کا پایۂ تخت تھا، وہ فتح نہیں ہوا۔ جو بعد میں پندرھویں صدی عیسوی میں خلافتِ عثمانیہ کے ہاتھوں فتح ہوا ہے۔ بہرحال اس کی حکومت خلافت راشدہ میں یورپ کے مشرقی علاقوں اور

میں کسریٰ کے طلائی کنگن بھی شامل تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت سراقہؓ کو مسجد نبوی میں بلایا اور ان سے کہا کہ وہ تمام حاضرین کو اپنا واقعہ سنائیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کے ہاتھوں میں کنگن پہنائے

(مرتب)

ایشیائے کوچک کے کچھ علاقوں میں قائم رہی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ برکت تھی اس رویہ کی جو اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کے بارے میں اختیار کیا تھا۔ اس کے برعکس خلافت فاروقی میں کسریٰ کی حکومت قریباً ختم ہو چکی تھی۔ اور خلافت عثمانی میں یہ بالکل ختم ہو گئی۔ یزدگرد مارا گیا اور وہ پورا علاقہ جو کسریٰ عظیم فارس کے زیر نگیں تھا۔ اسلامی حکومت کا جزو بن گیا۔ یہ انجام تھا اس گستاخانہ رویہ کا جو خسرو پرویز نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کو چاک کرنے کی صورت میں کیا تھا۔ یہ ایک نمایاں فرق ہمیں تاریخ اسلام کے قرن اوّل میں نظر آتا ہے۔

غزوہ موتہ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ صلح حدیبیہ کے بعد ۶ھ کے بالکل اوائل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان رؤسائے عرب کے نام بھی اپنے نامۂ مبارک ارسال فرمائے تھے جو عرب اور شام کے سرحدی علاقوں میں آباد تھے۔ ان میں غسّان کا قبیلہ تعداد میں بھی بڑا تھا اور طاقت ور بھی کافی تھا۔ اس قبیلہ کے لوگ اگرچہ عرب تھے، لیکن ایک مدّت سے عیسائی تھے۔ یہ قبیلہ قیصر روم کے ماتحت اور اس کا باجگزار تھا۔ اس وقت قبیلہ کا رئیس و حکمران شرجیل بن عمرو نامی شخص تھا۔ اس کے پاس حارثؓ بن عمیر بطور قاصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک لے کر گئے تھے۔ اس بدبخت نے حضورؐ کے قاصد کو شہید کر دیا۔ حضورؐ نے انؓ کے خون کے قصاص کے لئے تین ہزار کا لشکر تیار کر کے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں شام کی طرف بھیجا۔ اس لشکر کا سپہ سالار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو مقرر فرمایا اور پہلے ہی سے معین کر دیا تھا کہ اگر ان کو دولت شہادت نصیب ہو تو پھر سپہ سالار ہوں گے حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب، حضرت علیؓ کے حقیقی کے بھائی۔ اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو سپہ سالار ہوں گے۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ جو انصار تھے اور مشہور شاعر۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اس بنا پر لوگوں کو تعجب ہوا کہ حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کے ہوتے ہوئے حضرت زید کو لشکر کی سرداری اور سپہ سالاری کس بنا پر سپرد کی گئی ہے۔ لیکن اسلام جس مساواتِ عام کے قائم کرنے کے لئے آیا تھا اس کے لئے یہ عملی نظیر ضروری تھی تاکہ لوگوں میں ایثار کا جذبہ پیدا ہو اور امیر کوئی بھی ہو اس کی اطاعت فی المعروف کی تربیت حاصل ہو۔ مرض وفات کے شروع ہونے سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی زیدؓ بن حارثہ کے فرزند حضرت اسامہؓ کو اس فوج کا افسر و امیر مقرر کیا تھا جو شام کی سرحدوں کی طرف بھیجا جانے والا تھا۔ حضرت اسامہؓ کی ماتحتی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر صحابی بھی شامل تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مساواتِ انسانی کے محض

وعظ ارشاد نہیں فرمائے بلکہ صحابہ کرامؓ کا اس طور پر تزکیہ فرمایا تھا کہ وہ لوگ جو نسلی اور قبائلی تفاخر کو حرزِ جان بنائے رکھتے تھے ایک کنگھی کے دندانوں کی طرح باہم مربوط اور بنیانِ مرصوص بن گئے تھے ـــــ سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اسی نوع کے واقعات کو دیکھ کر ایچ جی ویلز جیسے دشمنِ اسلام کو یہ لکھنا پڑا کہ "مساواتِ انسانی، اخوت اور حریت پر نہایت بلند پایہ مواعظ تو حضرت مسیحؑ کے یہاں بھی ملتے ہیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان اصولوں پر دنیا میں سب سے پہلا عملی معاشرہ قائم فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے۔

اگرچہ یہ مہم قصاص لینے کے لئے بھیجی گئی تھی، لیکن چونکہ تمام مہمات کا بنیادی و حقیقی مقصد اسلام کی تبلیغ و دعوت تھا چنانچہ لشکر کی روانگی سے قبل اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایات دیں اور ارشاد فرمایا کہ راہ میں جو قبائل آباد ہیں ان کو اسلام کی دعوت دی جائے اور شرجیل بن عمر وغسانی کو بھی پہلے اسلام کی دعوت دی جائے۔ اگر وہ قبول کر لے تو جنگ کی ضرورت نہیں حضورؐ فوج کے ساتھ مدینہ سے باہر کچھ دور بنفسِ نفیس تشریف لے گئے۔

شرجیل کی تیاری: ادھر مسلمانوں کا لشکر مدینہ میں ترتیب پا رہا تھا ادھر جاسوسوں نے شرجیل کو خبر کر دی شرجیل نے اس لشکر کے مقابلہ کے لئے قریباً ایک لاکھ کی فوج تیار کی ـــــ چونکہ اسے معلوم تھا کہ قصاص اور انتقام کا معاملہ ہوگا اور جنگ ضرور ہوگی۔ پھر خود قیصرِ روم (ہرقل) ایک بہت بڑی فوج لے کر غسانیوں کے دارالحکومت بصریٰ سے چند میل کے فاصلہ پر آ کر بیٹھ گیا تاکہ اگر غسانی شکست کھائیں تو وہ اُن کی مدد کے لئے اپنی فوج لے کر پہنچ جائے۔ اہلِ ایمان کے لشکر کو جب غسانیوں کی تیاری اور اس کی پشت پر ہرقل کی فوج کی موجودگی کا علم ہوا تو مشورہ ہوا کہ ان حالات میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔ کہاں صرف تین ہزار اور کہاں ایک لاکھ! ایک اور تینتیس ۳۳ کی نسبت بن رہی ہے۔ دریں حالات ہمیں مقابلہ کا خطرہ (risk) مول لینا چاہیئے یا مناسب یہ ہوگا کہ حضورؐ کو اطلاع دی جائے اور توقف کر کے آپؐ کے حکم کا انتظار کیا جائے۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ کی رائے یہی تھی کہ ہمیں سردست مقابلہ کرنا نہیں چاہیئے اور حضورؐ کے حکم کا انتظار کرنا چاہیئے۔

شوقِ شہادت: لیکن حضرت عبداللہؓ ابن رواحہ کی رائے یہ تھی کہ مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ اٹھے اور انہوں نے تقریر کی کہ مسلمانوں ہم دنیا کے طالب ہو کر نہیں نکلے، فتح اور شکست سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ ہم تو شہادت کے متمنی ہیں، اللہ نے یہ موقع فراہم کیا ہے، ہم تاخیر کیوں کریں"۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ فیصلہ ہو گیا کہ مقابلہ کیا جائے گا ـــــ چنانچہ تصادم ہو گیا۔ اب کہاں تین

ہزار کہاں ایک لاکھ! ۔ لیکن جوشِ ایمانی اور شوقِ شہادت سے سرشار یہ مختصر سا لشکر ایک لاکھ فوج پر حملہ آور ہوا۔ حضرت زیدؓ بن حارث شہید ہوئے تو ان کے بعد حضرت جعفرؓ بن ابی طالب حضورؐ کے چچازاد اور حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی نے علم اپنے ہاتھ میں لیا اور وہ بھی شہید ہوئے۔ انؓ کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ جب انہوں نے علم سنبھالا اور لشکر ان کی قیادت میں آیا تو گھوڑے سے اترے اور پہلے خود اپنے گھوڑے کی ٹانگوں پر تلوار ماری کہ اس کی کونچیں کٹ گئیں تاکہ گھوڑے پر بیٹھ کر فرار ہونے کا خیال بھی دل میں نہ آئے۔ پھر نہایت بے جگری سے دشمنوں کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ ایک ہاتھ قلم ہوا تو دوسرے ہاتھ میں علم تھام لیا۔ وہ بھی قلم ہوا تو ٹانگوں میں دبا لیا تاکہ علم ان کے جیتے جی زمین بوس نہ ہو۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے آگے بڑھ کر علم اپنے ہاتھ میں لیا۔ حضرت جعفرؓ دشمنوں سے چور چور ہو کر گرے اور اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ موت سے قبل دونوں ہاتھ کٹ چکے تھے۔ حضورؐ نے خواب دیکھا اور صحابہ کرام کو سنایا کہ جعفرؓ کو اللہ تعالےٰ نے دو پر عطا فرمائے ہیں جن سے وہ جنّت میں اڑتے پھر رہے ہیں۔ اسی وقت سے آپ کا لقب "طیار" قرار پایا اور وہ جعفر طیار کے نام سے موسوم ہوئے۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، جو اس غزوہ میں شریک تھے، کا بیان ہے کہ میں نے (حضرت) جعفرؓ کی لاش بعد میں خود دیکھی تھی، اس پر تلواروں اور برچھیوں کے نوّے زخم تھے لیکن سب سامنے کی طرف تھے، پشت پر کوئی زخم نہیں تھا۔ یہ تھے جعفر طیار رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ بھی داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ رضوان اللہ علیہ۔

خالد بن ولید کمان سنبھالتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین صحابہ کرامؓ کو یکے بعد دیگرے سپہ سالار نامزد کیا تھا آگے کے لئے کوئی ہدایت نہیں تھی۔ چنانچہ جب وہ تینوں شہید ہو گئے تو تو اب مسلمانوں کے لشکر میں سے حضرت خالد بن ولیدؓ نے آگے بڑھ کر کمان سنبھالی اور نہایت بہادری سے لڑے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اس غزوہ میں آٹھ تلواریں ان کے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں[1] لیکن ایک لاکھ سے تین ہزار کا مقابلہ تھا۔ خالد بن ولید کی حکمت عملی یہ تھی کہ اپنی فوج کو

---

[1] صحیح بخاری میں 'غزوہ موتہ' کے باب میں حدیث ہے کہ جنگ موتہ کی خبر وحی کے ذریعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مل رہی تھی۔ آپؐ نے از روئے وحی فرمایا "اب اللہ کی ایک تلوار یعنی خالد بن ولید سیفؓ من سیوف اللہ نے مسلمانوں کا علم اپنے ہاتھ میں لیا اور اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دشمن کے نرغے سے بچا نکالیں، جس میں وہ کامیاب ہوئے اور یہی فتح ہے۔ —— بعض روایات موجود ہیں کہ غسانیوں کے ہراول دستے نے جب حملہ کیا تو واقعتاً اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی تھی۔ یہ ہراول دستہ شکست کھا کر فرار ہو گیا تھا۔ بعد میں دشمن کی پوری فوج نے یکبارگی حملہ کر کے مسلمانوں کی فوج کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے پہاڑ کی جانب سے دشمنوں کا گھیرا توڑا اور اپنے لشکر کو لے کر پہاڑ کے دامن پر پہنچ گئے اور اس طرح اپنی فوج کو دشمنوں کے حملوں سے بچا لائے۔

اہلِ مدینہ کا ردِّ عمل : جب یہ فوج مدینہ پہنچی تو بعض روایات میں آتا ہے کہ لوگوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ بھاگ کر آئے ہیں۔ چند لوگوں نے شہر سے باہر نکل کر ان پر کنکریاں اور ریت پھینکی کہ تم لوگ بھگوڑے ہو۔ تم لوگ اللہ کی راہ میں قتال کے لئے گئے تھے لیکن اپنی جان بچا کر آ گئے ہو۔

حضورؐ کی تسلی : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ملی تو آپؐ بنفس نفیس مدینہ سے باہر تشریف لائے۔ آپؐ نے بڑے تپاک سے فوج کا استقبال کیا اور یہ ارشاد فرما کر ان کو تسلی دی کہ تم فراری نہیں ہو۔ بلکہ دوبارہ حملہ کرنے کی نیت سے پیچھے ہٹ آنے والے ہو —— جیسے سورۃ انفال میں آ چکا تھا کہ پینترا بدلنے اور جنگی چال کے طور پر یا نئی قوت کے ساتھ پھر مقابلے کی نیت کے ساتھ پیچھے ہٹا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ غزوہ موتہ سے بچ کر آنے والے اہل ایمان دراصل اسی زمرے میں آتے تھے۔ یہ جان بچا کر فرار نہیں تھا لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فوج کو تسلی دی ——

غزوہ تبوک

اب آئیے غزوہ تبوک کی طرف —— لیکن اس پر گفتگو سے قبل میں چاہوں گا کہ آپ حضرات تاریخی ترتیب اور اہم واقعات اپنے ذہن میں تازہ کر لیں۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بین الاقوامی سطح پر توحید کی انقلابی دعوت کا بنفس نفیس آغاز فرما دیا تھا۔ اس ضمن میں حضورؐ کا پہلا اقدام تھا سلاطین کو اسلام کی دعوت کی ترسیل نامہ ہائے مبارک جو ۶ھ کے اواخر یا ۷ھ کے اوائل میں ہوئی —— ان خطوط پر مختلف سلاطین کا جو مختلف ردِّ عمل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کو اپنے دشمن پر غلبہ دیا" حدیث میں الفاظ آئے ہیں کہ " فتح اللّٰہ علیھم " —— غلبہ اور فتح کی تشریح میں اربابِ سیر اور اہل روایت کی مختلف آراء ملتی ہیں۔ مولانا شبلیؒ نے ان کو اپنی تالیف "سیرۃ النبیؐ" میں "غزوہ موتہ" کے باب کے اختتام پر حاشیہ میں درج کر دیا ہے۔ البتہ یہ بات واضح ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید کا لقب "سیف اللہ" اسی حدیث کی رو سے مشہور ہوا (مرتب)

ہوا ان میں سے بھی چند اہم واقعات کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ ان میں سے غسّانی خاندان جو نسلاً تو عرب تھا لیکن مذہباً عیسائی تھا، شامِ عرب کے بڑے علاقہ پر رومیوں کے زیرِ اثر حکومت کر رہا تھا۔ اس کے رئیس شرحبیل بن عمرو نے حضورؐ کے قاصد کو شہید کر دیا تھا۔ اُن کے قصاص کے لئے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں حضورؐ نے تین ہزار کا لشکر شام کی طرف روانہ کیا جس کے نتیجہ میں غزوہ موتہ واقع ہوا جس میں تین ہزار کے لشکر کا ایک لاکھ فوج سے مقابلہ ہوا۔ اس جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ تینوں سپہ سالار یکے بعد دیگرے شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے نہایت جرأت و شہادت سے دشمن کی فوج کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں کا جو لشکر دشمن کی فوج کے نرغے میں آگیا تھا، اسے نہایت حکمت عملی کے ساتھ بچا کر مدینہ لے آئے۔ میں ابھی ان واقعات کا قدرے تفصیل سے ذکر کر چکا ہوں۔

غزوۂ موتہ کے اثرات: مسلمانوں کا تین ہزار کا مختصر لشکر جس جوش و جذبہ اور بے جگری، جرأت و شجاعت کے ساتھ شرحبیل کی ایک لاکھ فوج سے جا ٹکرایا تھا، اس کا نتیجہ یہ نکلنا چاہیئے تھا کہ مجاہدینِ اسلام بالکل پس جاتے اور ایک بھی بچ کر نہ جاتا۔ لیکن نہ صرف غسّانی بلکہ سارا عرب اور مشرقِ وسطیٰ یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا کہ ایک اور ۳۳ کے اس مقابلہ میں بھی کفار مسلمانوں پر غالب نہ آسکے۔ مسلمانوں کے جتنے لوگ شہید ہوئے اس سے کہیں زیادہ تعداد میں کفار مقتول ہوئے۔ پھر ایک لاکھ کی فوج کے نرغہ سے تین ہزار کی مختصر سی فوج کو بچا لے جانا بھی فوجی اعتبار سے بڑے اچنبھے کی بات تھی۔ یہی چیز تھی جس نے عرب کی شام اور عراق کی سرحدوں پر آباد قبائل اور نجدی قبائل کو اسلام کی دعوتِ توحید سے متاثر کیا اور ہزاروں کی تعداد میں ان قبائل کے لوگ اس غزوہ کے بعد ایمان لے آئے۔

غسّانیوں کا خوف اور تیاریاں: جنگ موتہ کے اس معرکہ نے غسّانیوں اور رومیوں کو ہلا کر رکھ دیا ان کو خوف لاحق ہو گیا کہ مسلمان چین سے بیٹھنے والے نہیں ہیں۔ وہ یقیناً دوبارہ حملہ کریں گے۔ چنانچہ ایک طرف غسّانیوں نے فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔ دوسری طرف انہوں نے قیصرِ روم کو لکھا کہ اس ابھرتی ہوئی طاقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے، امسال پورا عرب قحط میں مبتلا ہے لہٰذا یہ بہترین موقع ہے کہ اس ابھرتی ہوئی قوت کو کچل دیا جائے۔ چنانچہ اس بنا پر ہرقل نے بھی چالیس ہزار کی فوج شام بھیج دی اور خود مزید

لہ سورۂ انفال کی آیت ۱۶ میں کفار کے مقابلہ میں جان بچا کر پیٹھ پھیرنے والوں کے لئے اللہ کے غضب اور جہنم کی وعید آئی ہے۔ اسی آیت کے درمیان میں یہ استثنائی الفاظ آئے ہیں: اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ۔ (مرتب)

فوج کے ساتھ حمص پہنچ گیا۔ اس طرح غسانیوں اور رومیوں نے ایک لشکرِ جرار تیار کر لیا۔

نفیرِ عام: شام اور عرب کے مابین تجارت کا سلسلہ جاری تھا چنانچہ تاجروں کے ذریعے سے یہ خبر پورے عرب میں پھیل گئی کہ غسانی رومی فوج کے ساتھ مل کر عنقریب مدینہ پر حملہ کرنے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجانے والے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی برابر یہ خبریں مل رہی تھیں چنانچہ آپؐ نے بھی فوج کی تیاری کا حکم دیا یہ پہلا موقع تھا کہ حضورؐ کی طرف سے نفیرِ عام ہوئی۔ یعنی ہر مسلمان جس کو کوئی عذرِ شرعی لاحق نہ ہو اس غزوہ کے لئے لازماً نکلے اور فوج میں شامل ہو۔ اس سے قبل یہ ہوتا تھا کہ جب کبھی کہیں کوئی مہم بھیجنی ہوتی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں صحابہ کرام کو جمع فرماتے اور مہم کے لئے مطلوبہ تعداد کے مطابق یا خود انتخاب فرماتے یا اُن اصحاب کو شامل فرما لیتے جو خود کو اس مہم کے لئے پیش فرماتے لیکن اس مرتبہ صورتِ حال مختلف تھی۔ اس نفیرِ عام کے نتیجہ میں تیس ہزار کی فوج تیار ہو گئی اور آپؐ اس لشکر کو لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔

سورۃ توبہ اور غزوۂ تبوک کا تعلق: میں نے شروع میں سورہ توبہ کی چند آیات کی تلاوت کی تھی۔ وہ آیات غزوہ تبوک سے متعلق ہیں۔ اس سورہ مبارکہ کا اکثر حصہ غزوہ تبوک سے متصلاً قبل اور متصلاً بعد کے واقعات پر سیر حاصل تبصرہ ہے۔ یہی موقع ہے کہ جس میں منافقین کا کردار نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے اور ان کا پردہ چاک ہوتا ہے اور میرا ارادہ تھا کہ میں نے جن آیات کی تلاوت آغاز میں کی تھی ان کا ترجمہ اور تشریح بیان کروں اور اس تناظر میں اس غزوہ کے اہم واقعات آپ حضرات کو سناؤں۔ لیکن وقت کی کمی کے باعث میں یہ بات چھوڑ رہا ہوں۔ آپ حضرات سے درخواست ہے کہ کسی مستند تفسیر کی مدد سے اس سورہ مبارکہ کا مطالعہ ضرور کریں۔

صحابہؓ کرام کا سخت ترین امتحان: البتہ چند ضروری باتیں عرض کر رہا ہوں۔ میرے حقیر مطالعہ کی رو سے غزوۂ احزاب کی طرح غزوۂ تبوک بھی صحابہ کے لئے نہایت سخت امتحان کا موقع تھا ـــــ اب ٹکراؤ وقت کی دو عظیم ترین طاقتوں میں سے ایک طاقت یعنی سلطنتِ روما سے درپیش تھا۔ اب وہ بات نہیں تھی کہ عربوں کی باہمی جنگ ہے جہاں ایک اور تین یا چار یا دس یا بیس کی نسبت رہی ہے اب تو سلطنت روما سے ٹکراؤ کا مسئلہ درپیش تھا کہ جس کے پاس لاکھوں کی تعداد میں ہر وقت باقاعدہ فوجیں تیار رہتی تھیں جو اُس دور کے اعتبار سے اعلیٰ ترین ہتھیاروں سے لیس تھیں۔ غسانیوں نے لاکھوں کا لشکر تیار کر رکھا تھا اور اس کی پشت پر خود ہرقل قیصر روم اپنی کثیر فوج کے ساتھ شام میں موجود تھا اور وہ کسی طرح بھی اپنے ان مقبوضات سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک طرف یہ

صورتِ حال ہے، دوسری طرف عالم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کا اتنا سخت امتحان لیا کہ ہر مسلمان کے لئے نکلنا لازم فرمایا الّا یہ کہ وہ ضعیف یا بیمار ہو۔ اس سے پہلے کبھی نفیرِ عام نہیں تھی کہ ہر مسلمان نکلے۔ پھر یہ کہ قحط کا عالم اور شدّت کی گرمی کا موسم تھا کہ لوگوں کو ویسے بھی گھر سے نکلنا شاق گزرتا تھا۔ ان حالات میں طویل سفر گویا خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس موقع پر منافقین کا پردہ چاک ہوگیا وہ خود بھی جنگ کے لئے نکلنے سے جی چراتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے کہ: لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ۔ "گرمی میں نہ نکلو" اس پر مستزاد کہ کھجوروں کی فصل تیار تھی اور اب یہ اندیشہ لاحق تھا کہ اگر اب چلے گئے تو یہ کھجوریں کون اتارے گا۔ یہ درختوں ہی پر گل سڑ جائیں گی اور ختم ہو جائیں گی۔ پھر یہ کہ اس وقت کھانے کے لائے ہیں یہ فصل بھی اگر برباد ہوگئی تو پھر کیا ہوگا۔

انفاق فی سبیل اللہ کی اپیل: پھر یہ کہ طویل ترین سفر اور سلطنتِ روما سے ٹکراؤ کا مرحلہ درپیش ہے، لہٰذا ساز و سامان بھی کافی درکار ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو ترغیب دے رہے ہیں کہ اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مالی انفاق بھی کرو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ترغیب کے نتیجہ میں پرستارانِ حق نے سر و سامان کی فراہمی میں اپنی بساط سے بڑھ کر حصّہ لیا۔ جو صحابہ کرامؓ آسودہ حال تھے انہوں نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے تو اپنا سارا اثاثہ نذر کر دیا۔ گھر میں جھاڑو پھیر دی۔ غریب صحابہؓ نے محنت مزدوری کر کے جو کچھ کمایا لاکر حاضر کر دیا۔ ایک صحابیؓ نے رات بھر ایک باغ میں پانی سینچا اور اس کے معاوضہ میں جو کھجوریں ملیں وہ لاکر خدمتِ اقدس میں پیش کر دیں۔ عورتوں نے اپنے زیور اتار کر دے دیئے۔ الغرض تمام اہلِ ایمان میں جوشِ جہاد کی لہر دوڑ گئی۔ یہ نفیرِ عام اور انفاق سبیل فی سبیل اللہ کی ترغیب منافقوں کے لئے کسوٹی بن گئی۔ اس موقع پر پیچھے رہ جانے اور انفاق میں ہاتھ روکنے کے معنی یہ تھے کہ ایسے شخص کا اسلام کے ساتھ تعلق کی صداقت کا معاملہ مشتبہ ہو جاتا۔ چنانچہ منافقین کے لئے یہ موقع ان کے نفاق کے پردہ چاک کرنے کا سبب بن گیا۔ دوسری طرف وہ اہلِ ایمان بھی تھے جو لوگ سواریوں کی کمی اور سامان کی قلّت کی وجہ سے تبوک کے سفر پر جانے سے معذور رہے۔ حالانکہ ان کی شدید خواہش تھی کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلیں۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں رو رو کر کہتے کہ اگر ہمیں بھی آپؐ لے چلیں تو ہماری جانیں قربان ہونے کے لئے حاضر ہیں۔ ان مخلصین کی بے تابوں کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آتا تھا۔

چنانچہ سورہ توبہ میں جہاں ضعفاء اور مریضوں کو اس غزوہ میں شرکت سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے تسلی دی گئی وہاں ان مخلص اہل ایمان صحابہ کی تسلی کے لئے یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ (آیت ۹۲)

"اور (اسی طرح) ان لوگوں پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے (اے نبی) آپؐ کے پاس آئے اور درخواست کی کہ ہم کو سواری دیجئے (تاکہ ہم بھی ساتھ چلیں) تو آپؐ نے کہا کہ میرے پاس سواری کہاں ہے جس پر تم کو سوار کر سکوں تو وہ واپس چلے گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ افسوس ہم اس جہاد میں حصہ لینے کی مقدرت نہیں رکھتے۔"

تبوک کی طرف کوچ: الغرض رجب ۹ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳۰ ہزار مجاہدین کے ساتھ مدینہ سے شام کی طرف کوچ فرمایا اور تبوک کے مقام پر قیام فرمایا جو شام اور جزیرہ نمائے عرب کا سرحدی مقام ہے۔ اس سفر میں دس ہزار گھڑ سوار آپؐ کے ہمراہ تھے۔ اونٹوں کی اتنی کمی تھی کہ ایک ایک اونٹ پر کئی کئی آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔ دوران سفر بہت سے عجیب و غریب واقعات پیش آئے۔ وقت کی کمی کی وجہ سے میں ان کا ذکر چھوڑ رہا ہوں۔

قیصر کا جنگ سے اعراض: غسانیوں نے لاکھوں کی فوج تیار کر رکھی تھی اور قیصر نے چالیس ہزار رومی سپاہ ان کی مدد کے لئے بھیج رکھی تھی۔ اس کے علاوہ وہ خود بھی ایک لشکر جرار کے ساتھ غسانیوں کی مدد کے لئے حمص میں موجود تھا۔ لیکن جب قیصر کو یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا جو لشکر مدینہ سے آ رہا ہے۔ اس کی قیادت خود جناب محمد رسول اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں تو اس نے غسانیوں اور رومی فوجوں کو حکم بھیجا کہ سرحد سے تمام فوجیں واپس چلی آئیں۔ اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ لہٰذا اسے مقابلہ کا حوصلہ نہیں ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ اللہ کے رسول سے مقابلہ کا نتیجہ شرمناک شکست کے علاوہ اور کچھ نہیں نکل سکتا تھا۔ پھر غزوۂ موتہ میں ایک جانب تین ہزار اور دوسری جانب ایک لاکھ فوج کے مقابلہ کی جو کیفیت اس کے علم میں تھی تو اس کے بعد اس کی ہمت نہ پڑی کہ وہ تیس ہزار فدائین کے اس لشکر سے مقابلہ کرے جس کی کمان خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ حالانکہ اس وقت اس کے پاس غسانیوں اور رومیوں کی دو لاکھ سے بھی زیادہ فوج موجود تھی۔ وہ طرح دے گیا اور اس نے سرحد سے تمام فوجیں واپس ہٹالیں اور مسلح تصادم کا ہر

امکان روک دیا۔

نبی اکرمؐ کے اقدامات: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرحلہ پر قیصر کے اعراض اور پسپائی کو کافی سمجھا اور از خود تبوک سے آگے بڑھ کر شام کی سرحد میں داخل ہونے کے بجائے اس بات کو ترجیح دی کہ اس طرح لشکرِ اسلام کو جو اخلاقی اور نفسیاتی فتح حاصل ہوئی ہے اس سے زیادہ سے زیادہ سیاسی اور جنگی فوائد حاصل کئے جائیں۔ حضورؐ وہاں بیس دن تک مقیم رہے تاکہ اگر قیصر مقابلہ میں آتا ہے تو آئے ——— اس عرصہ کے دوران آپؐ نے سرحد کے ارد گرد جو قبائل آباد تھے اُن کے رئیسوں اور سرداروں سے معاہدے کئے اور اس طرح اس علاقے میں اپنی پوزیشن مضبوط بنالی۔ گویا ہجرت مدینہ کے غزوہ بدر سے قبل حضورؐ نے جو اقدامات قریش کے ضمن میں کئے تھے، جس کو میں نے اقدام (ACTIVE RESISTANCE) اور قریش کی سیاسی ناکہ بندی (POLITICAL ISOLATION) قرار دیا تھا، وہی کام حضورؐ نے تبوک کے ۲۰ یوم کے قیام کے دوران انجام دیا۔ اس کے بعد آپؐ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

بہر حال یہ ہیں سیرت کے وہ اہم واقعات یعنی سلاطین و رؤسا کو نامہ ہائے مبارکہ کی ترسیل جنگ موتہ اور غزوۂ تبوک، جنہیں میں انقلابِ محمدی کی بین الاقوامی تصدیر (EXPORT) کے کام کا آغاز قرار دیتا ہوں۔ یعنی جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر اب اطراف واکناف عالم میں حضورؐ کی انقلابی دعوت پہنچانے اور توحید کا علم کرۂ ارضی پر بلند کرنے کا جو کام امت کے سپرد تھا، اس کا راستہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس کھول دیا۔

حجۃ الوداع: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں فریضہ حج ادا فرمایا۔ ہجرت کے بعد آپؐ کا یہی پہلا اور آخری حج ہے۔ اسی لئے اسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ اس حج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مشن امت کے حوالہ فرمادیا۔ سوا لاکھ کا مجمع موجود تھا۔ آپؐ نے پہلے تو مجمع سے گواہی لی کہ میں نے اللہ کا دین تم تک پہنچا دیا کہ نہیں! جب تین مرتبہ پورے مجمع نے اقرار کیا کہ بے شک آپؐ نے حقِ تبلیغ، حقِ نصح، حقِ امانت ادا فرمادیا تو پھر آپؐ نے فرمایا:—

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ

"یعنی (میں نے اللہ کا دین تم تک پہنچا دیا) اب وہ لوگ جو یہاں موجود ہیں (اُن کی ذمہ داری ہے کہ اس دین کو) پہنچائیں اُن تک جو یہاں موجود نہیں ہیں۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد و فرمانِ گرامی میں گویا یہ بات آپ سے آپ مضمر ہے کہ میں نے جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اسلامی انقلاب کی تکمیل کر دی ہے اور اس عمل کا آغاز کر دیا ہے جس کا تعلق بین الاقوامی مرحلہ سے ہے لہٰذا انقلاب کی عالمی سطح پر تکمیل کی ذمہ داری اب تمہارے کاندھوں پر ہے ——

حضورؐ کا دنیا سے پردہ: اس حجۃ الوداع کے بعد ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حیاتِ دنیوی کے اسّی۸۰ دن بنتے ہیں جس کے بعد "اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی" فرماتے ہوئے آپؐ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا اور رفیقِ اعلیٰ کی طرف مراجعت فرمائی۔ اس مراجعت سے چند دن قبل آپؐ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سرکردگی میں شام کی سرحد کی طرف پیش قدمی کے لئے ایک جیش تیار فرما دیا تھا۔ جسے بجا طور پر اس بات کا ثبوت قرار دیا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ نے اس انقلاب کی بین الاقوامی سطح پر پیش قدمی کرنے کے لئے اُمّت اور اپنے جانشینوں کے لئے ایک واضح لائحۂ عمل کی جانب رہنمائی فرما دی تھی اور اس ضمن میں قابلِ تقلید عملی نمونہ بھی پیش فرما دیا تھا۔

خاتمۂ کلام حضرات! یہاں ہمارا یہ سلسلۂ تقاریر ختم ہوتا ہے۔ مجھے احساس ہے کہ وقت کی کمی کی وجہ سے میں اس موضوع کا پورا حق ادا نہیں کر سکا۔ بہت سے اہم امور باقی رہ گئے جن پر مجھے اظہارِ خیال کرنا تھا۔ بہر حال گذشتہ نو جمعوں میں، میں نے سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے جس نقطۂ نظر سے چند اہم گوشے بیان کئے ہیں، اگر ان تقاریر کے نتیجہ میں آپ حضرات میں اس پہلو سے سیرتِ طیبہ میں غور و فکر اور اس کے مطالعہ کا ذوق و شوق پیدا ہو جائے تو میرے نزدیک یہ بھی ایک بڑی کامیابی ہوگی۔

مجھے آخر میں ایک بات اور عرض کرنی ہے۔ وہ یہ کہ ان نو تقاریر میں، میں نے معروضی طور پر سیرتِ مطہرہ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے مراحل، مدارج اور لوازم پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اب ان شاء اللہ العزیز اگلے جمعہ سے مجھے اس موضوع پر گفتگو کرنی ہے کہ موجودہ حالات میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے کن اُمور میں حضورؐ کا منہجِ عمل ہمیں جوں کا توں اختیار کرنا ہے اور کن کن امور میں کن کن پہلوؤں سے ہمیں اپنے طریقِ انقلاب میں کوئی ترمیم یا تبدیلی کرنی ہوگی۔ ظاہر بات ہے کہ اس معاملے میں ہمارے لئے ضروری ہوگا کہ یہ ترمیم یا تبدیلی میں دین کے کسی اصول کی روشنی ہی میں کریں اور یہاں ہمیں حالات کے اعتبار سے کوئی اجتہاد کرنا ہوگا۔ یہ موضوع نہایت

(باقی صفحہ ۵۸ پر)

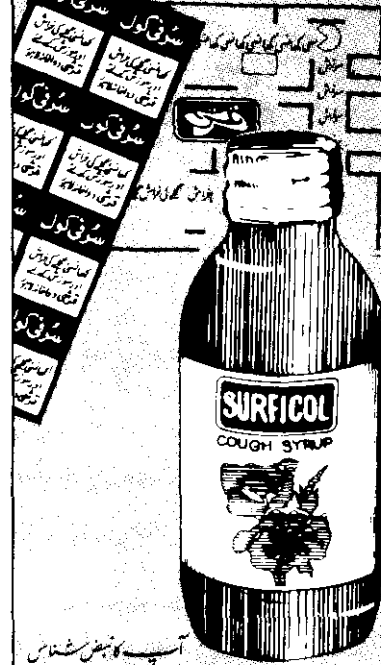

جوہر جوشاندہ
نزلہ، زکام، کھانسی کے لیے صدیوں سے آزمودہ جوشاندہ
اب سفوف کی شکل میں دستیاب ہے۔
جسے اُبالنے، چھاننے کی ضرورت نہیں صرف
ایک کپ نیم گرم پانی یا چائے میں ملائیں جوشاندہ
تیار ہے۔
آپ کا نبض شناس
نصف صدی سے معیاری
ادویات کا نشان
فی پیکٹ ایک روپیہ

کھانسی، گلے کی خراش، نزلہ زکام کے لیے
زود اثر
سُرفی کول
ٹکیاں اور سیرپ
SURFICOL
COUGH SYRUP
آپ کا نبض شناس
نصف صدی سے معیاری
ادویات کا نشان

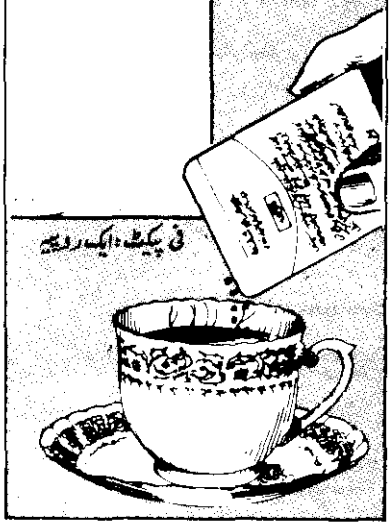

مسئلۂ سندھ — چند اہم گوشے

سندھ کے مسئلے کو سمجھنے اور حل کرنے کے لیے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی پنجاب سے اٹھنے والی واحد آواز کے ردعمل کے طور پر ملک کے دو قومی اخبارات نے اپنے اداریوں کالموں میں دو طرح کے نمائندہ رویوں کا اظہار کیا۔ کراچی کے انگریزی روزنامہ "ڈان" نے اپنے مفصل اداریے میں دونوں صوبوں کے درمیان بُعد اور دُوری کو کم کرنے کے لیے ڈاکٹر اسرار احمد کی تجاویز کی حمایت کرتے ہوئے اس دُوری کی وجوہات پر فکر انگیز گفتگو کی ہے۔ جبکہ لاہور کے اُردو روزنامہ "نوائے وقت" نے دورہ سندھ سے واپسی پر امیر محترم کے خطاب جمعہ کو بنیاد بناتے ہوئے اپنے مختصر اداریتی نوٹ میں تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے سوال کیا تھا کہ "پنجاب کیا کرے"۔ جس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب کا مختصر مضمون دو قسطوں میں روزنامہ نوائے وقت میں شائع ہوا۔

قارئینِ میثاق کی سہولت کے لیے "نوائے وقت" کا اداریتی نوٹ اور امیر محترم کا جواب مضمون اور روزنامہ "ڈان" کے اداریے کا انگریزی متن اور اُردو ترجمہ —— محترم جناب اقتدار احمد صاحب کے مختصر تبصرے کے ساتھ شاملِ اشاعت ہیں۔ اس کے علاوہ تاریخ سندھ کے عنوان سے معروف سندھی دانشور اور جیئے سندھ تحریک کے اہم ستون جناب غلام مصطفےٰ شاہ کا ایک انگریزی مضمون بھی روزنامہ "ڈان" کے شکریے کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ مسئلہ سندھ کے حوالے سے چوتھی اہم چیز جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب کا مضمون "سندھ کی صورت حال" ہے جو درحقیقت ڈاکٹر اسرار احمد کی فرمائش پر ہی انہوں نے "مسئلہ سندھ" کے خلاصے کے طور پر رقم کیا ہے۔ چونکہ اس دفعہ انجمن کے سالانہ محاضرات کی چار نشستوں میں سے ایک کا عنوان "مسئلۂ سندھ" ہے۔ اس مناسبت سے —— یہ اہم تحریریں قارئینِ "میثاق" کے لیے سندھ کے معاملات و مسائل کی تفہیم و تشریح میں معاون ثابت ہوں گی۔ "روزنامہ نوائے وقت لاہور اور روزنامہ "ڈان" کراچی میں شائع شدہ تحریریں دونوں معاصرین کے پیشگی شکریے کے ساتھ شائع کی جا رہی ہیں۔

(ادارہ)

پنجاب کیا کرے؟

ڈاکٹر اسرار احمد

۲۵ جنوری ۱۹۸۷ء کے ادارتی نوٹ میں 'پنجاب کیا کرے؟' کے عنوان سے آپ نے میرے ۲۴ جنوری کے خطاب جمعہ کے حوالے سے جو سوالات اٹھائے ہیں میں ان کا خیر مقدم کرتا ہوں اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں

نوائے وقت

اتوار ۲۴ جمادی الاوّل ۱۴۰۷ھ ، ۲۵ جنوری ۱۹۸۷ء

"پنجاب" کیا کرے؟

تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد نے خطبہ جمعہ میں کہا ہے کہ پنجاب کو حالات کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے چھوٹے صوبوں کے سیاسی اور معاشی حقوق دینے ہوں گے۔ ڈاکٹر اسرار احمد ایک مذہبی سکالر کی حیثیت سے اپنے خطبہ جمعہ میں باقاعدگی کے ساتھ سیاسی امور پر بھی اظہار خیال کرتے رہتے ہیں لیکن اپنے دورہ سندھ کے دوران انہوں نے حالات کا جو مشاہدہ کیا ہے وہ یکطرفہ ہی نہیں کافی حد تک حقائق کے منافی بھی ہے ہمارے سندھی بھائی اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ ملک کے چاروں صوبوں کے عوام کئی مشترکہ مسائل اور مشکلات کا شکار ہیں اور ان کے حل کے لئے مشترکہ جدوجہد کی ضرورت ہے بدقسمتی سے جو لوگ عوام کا استحصال کرتے چلے آ رہے ہیں خواہ وہ سندھ کے وڈیرے ہوں پنجاب کے جاگیردار یا سندھ و بلوچستان کے خوانین اور سردار وہی چھوٹے صوبوں کے حقوق کے علمبردار اور پنجاب کے خلاف نفرت انگیز مہم چلانے میں پیش پیش ہیں لیکن ڈاکٹر اسرار احمد ان لوگوں کے اصل چہروں کو بے نقاب کرنے کے بجائے انہی کے ترجمان بن کر انہی کی زبان میں گفتگو کرنے لگے ہیں اگر انہوں نے اپنے طور پر یہ محسوس کیا ہے کہ سندھی عوام کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے تو انہیں زیادتی کے مرتکب افراد یا گروہ کی نشاندہی بھی کرنی چاہئے اور یہ بھی بتانا چاہئے کہ اس میں پنجاب یا پنجاب کے عوام کا کیا قصور ہے۔ نیز مسائل کا قابل عمل اور منطقی حل بھی پیش کرنا چاہئے محض یہ کہہ دینے سے کہ پنجاب چھوٹے صوبوں کے معاشی اور سیاسی حقوق دے کر حالات کی سنگینی کو کم کرے مسئلہ حل نہیں ہو جاتا انہیں سیاسی مفاہمت کی بنیادی شرائط کا تعین کرنے کے ساتھ ساتھ مسائل کے حل کے لئے اپنی تجاویز کا خاکہ بھی پیش کرنا چاہئے محض پنجاب کو مورد الزام ٹھہرانا دانشوری قرار نہیں دیا جا سکتا نہیں یہ بھی بتانا چاہئے کہ "پنجاب" ہے کیا اور اسے کیا کرنا چاہئے!

کیونکہ آپ نے خواہ میری ذات کے حوالے سے ہی سہی' ملک کے سب سے اہم مسئلے اور سب صوبوں سے بڑے صوبے کی ذمہ داریوں اور رویے کے بارے میں جس گفتگو کا آغاز کیا ہے وہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس وقت ہمارا سب سے اہم مسئلہ ہی یہ ہے کہ 'پنجاب کیا کرے'؟ جس طرح ماضی میں کہ جب پاکستان دنیا کی سب سے بڑی مسلم مملکت تھا ملک کی سالمیت اور یکجہتی کا پنجاب کے طرز عمل اور رویے سے گہرا تعلق رہا ہے اسی طرح اب حال اور مستقبل میں بھی ملک کی بقاء و سالمیت اور یکجہتی کا انحصار پہلے سے بڑھ کر پنجاب ہی پر ہے۔

کیونکہ اب پنجاب نہ صرف آبادی اور وسائل کے اعتبار سے ملک کا سب سے بڑا صوبہ ہے بلکہ باقی تینوں صوبے اکٹھے ہو کر بھی اس کے ہم پلّہ نہیں ہو سکتے۔ اس لیے اگر پنجاب کا باشعور اور ذی فہم طبقہ اپنی ذمہ داریوں اور طرزِ عمل کے بارے میں غور و فکر شروع کر دے تو اس سے بڑھ کر حوصلہ افزا اور خوش آئند بات کیا ہو سکتی ہے۔

آپ کے ادارتی نوٹ میں اٹھائے گئے نکات پر اظہارِ خیال سے پہلے میں اپنی ذات کے حوالے سے اس عجیب و غریب کیفیت کا اظہار کرنا بھی مناسب سمجھتا ہوں جس سے مجھے یہ 'اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش' کی صورت میں سابقہ پیش آ رہا ہے۔ 'بیگانے' کا لفظ تو چونکہ مصرعہ میں پہلے سے موجود ہے اس لئے مجبوراً تحریر میں آ گیا ورنہ میرے لیے تو پنجابی، سندھی، بلوچ، پشتون اور مہاجر سبھی اپنے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ سچی بات کہنے کی وجہ سے یہ سارے 'اپنے' 'بیگانے' ہوئے جاتے ہیں۔ گذشتہ برس جون میں مہاجرین کے رویئے پر جب میرا ایک مضمون شائع ہوا تو جس طرح مہاجرین نے نجی خطوط، ملاقاتوں اور اخباری مراسلوں کے ذریعے مجھے تنقید کا نشانہ بنایا وہ میں ہی جانتا ہوں۔ اب پھر "استحکامِ پاکستان اور مسئلہ سندھ" کی اشاعت کے بعد مہاجرین اور قدیم سندھی حضرات دونوں کی طرف سے اسی طرح کے ردّ عمل کا سامنا ہے۔ ابھی چند روز قبل سندھ سے ایک پمفلٹ موصول ہوا ہے جس کا یہ عنوان ہی اُس ردّ عمل کا آئینہ دار ہے کہ "جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب! ہم مہاجروں کو معاف رکھیں، اب ہم سندھیوں کے ساتھ نہیں لڑیں گے"۔ لیئق احمد قریشی سیکرٹری انجمن تحفظِ حقوقِ مہاجرین (حقیقی) سندھ کی طرف شائع کئے جانے والے اس پمفلٹ کے ایک پیراگراف کا مطالعہ اہلِ پنجاب کے لیے بھی مفید ثابت ہو گا، جس میں مجھے اہلِ پنجاب کا نمائندہ قرار دے کر خطاب کیا گیا ہے۔

> "جناب عزت مآب ڈاکٹر صاحب! اہالیانِ سندھ کی زمین اور نوکریاں لے جائیں اہلِ پنجاب۔! سندھی اگر آہ و فغاں کریں تو آپ انہیں کہیں اخوتِ اسلامی کا منکر! تو وہ مارکسزم کی طرف نہیں جائیں گے تو کیا وہ ڈاکٹر اسرار احمد کی خدمت میں جا کر قرآن مجید سیکھیں گے۔ جس صاحب موصوف نے ان پنجابیوں کو پرائے علاقے میں جا کر وسائل و روزگار پر قبضہ کر کے وہاں کے باشندوں کو بے روزگار بنانے سے منع کرنے والی کوئی آیتِ قرآن یا حدیثِ رسولؐ نہیں سنائی۔ ہاں البتہ سندھیوں کو ان کی محرومی پر شور کرنے پر تو کئی آیاتِ قرآن مجید سنا ڈالیں۔ کیا قرآن مجید کے اپنے استعمال سے آپ ان کو غیروں کے ہاتھ خود نہیں دھکیل رہے؟!!! یا للعجب پھر آپ فرماتے ہیں کہ سندھی نئی نسل ہندوؤں کو اپنا ہم قوم کہہ رہی ہے۔ مہاجرو! اُٹھو پاکستان کو

بچاؤ۔ جناب ڈاکٹر صاحب اب تو ہم مہاجروں کی نئی نسل مذہبی جماعتوں، جماعت اسلامی، جمعیت علمائے پاکستان اور جمعیت علمائے اسلام سے مایوس ہو کر الطاف حسین کی مہاجر قومی موومنٹ کی طرف جا چکی ہے۔ الطاف صاحب نے اسلام کے خطرہ میں آجانے کی بات نہیں کی، موجودہ بحران کو مذہبی بحران قرار دینے کے عوض اس نے خالص سیاسی اقتصادی مسائل اور حقوق کی بات کی ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ اگر اسلام آباد کے مفتیوں نے اُن کو بھی غیر اسلامی شور کرنے والا قرار دیا تو جواباً یہ لوگ فجر نہیں کیا کریں گے۔"

اس اقتباس میں تو صرف معاشی اور سیاسی حقوق کی بات کی گئی ہے، لیکن اسی پمفلٹ میں مذہبی میدان میں قادیانیت، پروٹیسٹنٹ اور کمیونزم کی اشاعت کے حوالے سے پنجاب پر جو الزام عائد کئے گئے ہیں اور علامہ اقبال کے حوالے سے جن جذبات کا اظہار کیا گیا ہے، شاید نوائے وقت کے صفحات اس کی تاب نہ لا سکیں لیکن وہ باتیں سندھ میں پھیل رہی ہیں اور پھیلائی جا رہی ہیں۔ کم و بیش اسی قسم کے جذبات کا اظہار قدیم سندھیوں کی طرف سے بھی ہو رہا ہے جس کے کچھ نمونے ماہ فروری کے 'میثاق' میں شائع کئے گئے ہیں۔ درحقیقت قدیم اور جدید سندھیوں کے اس ردِعمل کے سامنے آنے کے بعد یہ سوال اور زیادہ سنجیدگی، پیچیدگی اور گمبھیرتا کے ساتھ سامنے آتا ہے کہ "پنجاب کیا کرے؟"

مجھے آپکی اس رائے سے تو بلاشبہ اتفاق ہے کہ "بدقسمتی سے جو لوگ عوام کا استحصال کرتے چلے آرہے ہیں، خواہ وہ سندھی وڈیرے ہوں، پنجاب کے جاگیردار یا سندھ و بلوچستان کے خوانین و سردار، وہی چھوٹے صوبوں کے حقوق کے علمبردار اور پنجاب کے خلاف نفرت انگیز مہم چلانے میں پیش پیش ہیں"۔ البتہ میں اس میں اتنا اضافہ ضرور کروں گا کہ انہی کا ایک گروہ پنجاب میں اور مرکز میں برسر اقتدار چلا آرہا ہے اور قیام پاکستان سے لے کر آج تک اپنے گروہی مفادات کے بقاء اور تحفظ کے لئے ایسی پالیسیوں پر گامزن ہے کہ جس کے نتیجے کے طور پر مشرقی پاکستان میں پنجاب دشمنی کے جذبات پیدا ہوئے اور پھر آج انہیں کی وجہ سے سندھ میں بدرجۂ اولیٰ اور سرحد و بلوچستان میں کسی حد تک 'پنجاب' کا نام سیاسی گالی کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ ہمارے ملک کے تمام مسائل کا حل تو بلاشبہ اس طبقے کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی اقتدار سے چھٹکارا پانے میں مضمر ہے اور وہ بھی ایک اسلامی انقلاب کے ذریعے ــــ لیکن یہ کام تو بہرحال ایک طویل، پُرمشقت اور صبر آزما جدوجہد کا طالب ہے ــــ مگر اس وقت فوری طور پر چھوٹے صوبوں میں پنجاب کے خلاف نفرت

کے جذبات پیدا ہو جانے سے ملک کے سیاسی ڈھانچے یعنی وفاقِ پاکستان اور نظریے یعنی اسلام کو جو خطرات لاحق ہو گئے ہیں۔ اُن کے ازالے کے لئے کچھ فوری اقدامات کی بھی ضرورت ہے۔ مزید برآں یہ کہ چھوٹے صوبوں میں پائی جانے والی مایوسی اور بے چینی کے تمام تر اسباب محض پروپیگنڈے پر مشتمل نہیں۔ اس لئے چھوٹے صوبوں کے مسائل کے حوالے سے پنجاب کو اپنی ذمہ داریاں یاد دلانے پر آپ کا مجھے "استحصالی گروہ" کا "ترجمان" قرار دینا بھی کسی طرح مستحسن نہیں۔ مجھے ان القابات سے نواز کر کہیں آپ بھی اسی انتہا پسندی کا مظاہرہ تو نہیں کر رہے جس کا اظہار پنجاب کے خلاف کیا جا رہا ہے۔

"پنجاب ہے کیا" کا سوال کر کے آپ نے جس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ اپنی جگہ بالکل بجا ہے کہ پنجاب کے عوام کی اکثریت فی الواقع اس استحصال میں حصہ دار نہیں، لیکن اس وقت تو مسئلہ یہ درپیش ہے کہ پنجاب کی نمائندگی کیسے ہو رہی اور کون کر رہا ہے؟ اور وہ جو کوئی بھی ہے اس کے گناہوں کی پاداش میں بہرحال گالی تو پورے پنجاب کو پڑ رہی ہے۔ اور اس کے اثرات بھی پورے ملک پر مرتب ہو رہے ہیں۔ میں نے اپنی کتاب "استحکامِ پاکستان اور مسئلہ سندھ" میں پورے شرح و بسط سے اس مسئلے پر بحث کی ہے۔ اس کا ایک اقتباس میرے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں کافی معاون ثابت ہوگا۔

"قصہ مختصر یہ کہ پنجاب کے حصے میں جو بدنامی آئی وہ اصلاً تو بیوروکریسی کے غلط رویے اور مارشل لاء کے تسلسل اور طوالت کی پیداوار ہے، اگرچہ اس سے قطع نظر کہ صحیح حقائق و واقعات تو اللہ ہی کے علم میں ہیں، بہرحال نظری طور پر اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ پنجابی افسر شاہی اور مارشل لاء حکام کی بدعنوانیوں کے طفیل پنجاب کے کچھ لوگوں یا چند خاندانوں نے ناجائز فائدے بھی حاصل کئے ہوں، لیکن پاکستان کے مستقبل کے اعتبار سے جو چیز نہایت تشویشناک ہے وہ یہ کہ پاکستان کے اندرونی معاملے اور بین الصوبائی مقدمے میں ملک کا سب سے بڑا صوبہ 'مدعا علیہ' کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں پنجاب کی عوامی نفسیات پر 'مدافعانہ' رنگ غالب آ گیا ہے اور حرکت و اقدام سے گریز پنجاب کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی ہے۔ چنانچہ وہاں جو حرکت بالعموم نظر آتی ہے وہ ؎

چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سرِ شام یا غازہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات!

کے مصداق اکثر و بیشتر صرف "شغلِ میلہ" کی نوعیت کی ہوتی ہے۔ ورنہ کسی سنجیدہ سماجی

یا سیاسی تحریک میں پنجاب صرف اس وقت شامل ہوتا ہے جب کوئی دوسرے لوگ اُسے شروع کر کے نقطۂ عروج کے قریب تک پہنچا دیں۔

یہی وجہ ہے کہ ۱۹۸۳ء کی ایم آر ڈی کی تحریک پنجاب میں بالکل ناکام ہو گئی تھی نتیجتاً اس نے صرف سندھ اور اس کے بھی دیہی علاقے کی شورش کی صورت اختیار کر لی تھی۔ پھر آنسہ بینظیر بھٹو کی آمد پر پنجاب میں استقبال کا 'شغل میلہ' تو بھرپور انداز میں ہوا لیکن ۱۴ اگست ۸۶ء کو مختصر سی ہل چل کے سوا پنجاب میں کوئی عوامی تحریک نہیں چلی اور ایک مرتبہ پھر سندھ کے بعض دیہی علاقے ہی کل ہنگامے کا مرکز بن کر رہ گئے۔ اور اگرچہ اس حالیہ ناکامی کے بعد مس بھٹو نے بہت ٹھنڈے اور حقیقت پسندانہ طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا اور وہ پوری سنجیدگی اور تندہی کے ساتھ خاص طور پر پنجاب میں اپنی تنظیم کی صفوں کو درست اور منظم کرنے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہیں۔ تاہم ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ مستقبل قریب میں پنجاب کو جمہوریت کی کلی و کامل بحالی کے لئے کسی مؤثر سیاسی تحریک کے لئے آمادہ کیا جا سکے گا یا نہیں!

اور جیسے کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے پنجاب کا یہ سیاسی جمود اور قوم و وطن کے عظیم تر معاملات کے ضمن میں بے حسی اور لاتعلقی (INDIFEERENCE) کی روش پاکستان کے مستقبل کے لئے فی نفسہٖ بھی مضر اور خطرناک ہے۔ اس لئے کہ چھوٹے صوبوں کے عوام میں اس کی بنا پر پنجاب سے عمومی مایوسی اور بدظنی پیدا ہو رہی ہے اور خصوصاً سندھ میں تو اس کا ردِ عمل بہت شدید ہے ——— مزید برآں اس کا بھی شدید خطرہ موجود ہے کہ اگر پنجاب کسی طرح حرکت میں نہ آیا تو مس بھٹو اور اُن کی پیپلز پارٹی کا سندھی حصہ بھی قومی سیاست کے میدان سے پسپائی اختیار کر لیں اور صوبائیت کے خول میں بند ہو کر سندھی نیشنلزم کے تیز دھارے میں نہ بہ جائیں۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو اس کے نتائج پاکستان کے حق میں بہت خوفناک ہوں گے!"

آپ کا یہ ارشاد اپنی جگہ بالکل بجا ہے کہ "محض یہ کہہ دینے سے کہ پنجاب چھوٹے صوبوں کے معاشی اور سیاسی حقوق دے کر حالات کی سنگینی کو کم کرے، مسئلہ حل نہیں ہو جاتا۔ انہیں سیاسی مفاہمت کی بنیادی شرائط کا تعین کرنے کے ساتھ ساتھ مسائل کے حل کے لئے اپنی تجاویز کا خاکہ بھی پیش کرنا چاہیئے۔" لیکن میرے حوالے سے آپ کا یہ مطالبہ کم از کم میرے حق میں آپ کے تجاہلِ عارفانہ سے کم

کوئی شے نہیں کیونکہ ملک کی انتخابی سیاست کے حوالے سے ایک غیر انتخابی فرد اور ایک غیر انتخابی جماعت کا امیر ہونے کے باوجود میں نے کراچی اور سندھ کے حالیہ واقعات کے دوران ۱۷ دسمبر ۸۶ء کو آپ کے اسی شہر لاہور میں پہلی مرتبہ پریس کانفرنس کے ذریعے ملک کے سیاسی مسئلے حل کرنے کے لئے بنیادی شرائط کے تعین کے ساتھ اپنی تجاویز کا خاکہ پیش کیا تھا جو بحمداللہ ملک کے جملہ اخبارات کے علاوہ ۱۸ دسمبر ۱۹۸۶ء کے نوائے وقت لاہور میں بھی صفحہ اوّل پر شائع ہوا تھا۔ اس بیان میں پیش کردہ خاکے کے بنیادی نکات دوبارہ پیش خدمت ہیں۔

"۱۔ سندھ کی صوبائی حکومت کی نااہلی اور ناکامی کے اس بیّن ثبوت کے بعد اس کا مزید ایک دن بھی برقرار رہنا غلط ہے۔ لہٰذا اُسے فوراً برطرف کر کے گورنر راج قائم کیا جائے اور گورنری کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے صوبہ سندھ ہی سے تعلق رکھنے والی کسی معروف اور بااثر شخصیت کو آمادہ کیا جائے۔

۲۔ جنرل محمد ضیاء الحق کی نااہلی اور ناکامی بھی اظہر من الشمس ہو چکی ہے اور اگرچہ اصولاً تو انہیں فوری طور پر پاکستان کی صدارت اور فوج کے چیف آف سٹاف دونوں عہدوں سے سبکدوش ہو جانا چاہیئے ـــــ لیکن اگر اس صورت میں کسی فوری دستوری بحران کا اندیشہ ہو تو انہیں کم از کم ایک عہدے کو تو فوراً چھوڑ دینا چاہیئے ـــــ تاکہ یہ تاثر کسی قدر کم ہو سکے کہ موجودہ حکومت سابقہ مارشل لاء ہی کے تسلسل کی حیثیت رکھتی ہے۔

۳۔ اس تلخ حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کہ فی الوقت ملکی سطح پر مسلم قومیت کا جذبہ بے حد کمزور پڑ چکا ہے اور فی الواقع اس کی جگہ نسلی اور لسانی قومیتوں نے لے لی ہے۔ لہٰذا اصلاح کے عمل کا آغاز اُن کی نفی سے نہیں بلکہ انہیں مناسب حد تک تسلیم کرتے ہوئے ہی کیا جا سکتا ہے۔ ملکی دستور کے ضمن میں مرکز اور صوبوں کے مابین تقسیم کے علاوہ زبان اور ثقافت کی اساس پر نئے صوبوں کی تشکیل کے مطالبات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور اس معاملے میں قومی سطح پر اتفاق رائے (CONSENSUS) کے حصول کو اوّلین ترجیح دی جانی چاہیئے۔ جس کے لئے حسب ذیل دو صورتوں میں سے کوئی سی صورت اختیار کی جا سکتی ہے:۔

(۱) ۱۹۷۳ء کے اصل متفق علیہ آئین کو صرف قادیانیوں کے متعلق ترمیم کے ساتھ فوراً بحال کر دیا جائے اور اس کے تحت جماعتی بنیاد پر جلد از جلد انتخابات کرائے جائیں

جن کے ضمن میں رجسٹرڈ اور غیر رجسٹرڈ کی کوئی تقسیم حائل نہ ہو۔ اس کے بعد آئندہ قومی اسمبلی ہی دستور میں طے شدہ طریق پر دستور میں مطلوبہ ترامیم کرے۔

(ب) فوری طور پر غیر جماعتی بنیاد پر ایک دستور ساز اسمبلی کا انتخاب کرا دیا جائے جو ایک سال کے اندر اندر ایسا دستور تیار کرے جس پر پوری اسمبلی کے ارکان کی کم از کم دو تہائی تعداد متفق ہو جس میں ہر صوبے کے اراکینِ اسمبلی کی بھی کم از کم نصف تعداد ضرور شامل ہو۔ پھر اُس نئے دستور کے مطابق انتقالِ اقتدار کے لئے از سرِ نو انتخاب ہو۔"

میرے یہ خیالات کوئی نئے نہیں۔ میں سال ہا سال سے اپنے خطاباتِ جمعہ میں، ماہنامہ میثاق، کے اداریوں میں اور اس کے علاوہ دوسرے کئی فورموں سے ان کا اظہار کر رہا ہوں۔ آپ کو ان سے اتفاق یا اختلاف کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ البتہ ۴ جنوری کے خطابِ جمعہ میں اپنی پوری سیاسی فکر کا اظہار نہ کرنے کے جرم کا مجھے بہر حال اعتراف ہے۔ جس کی بنیاد پر آپ نے اپنے ادارتی کالموں میں گرفت فرمائی ہے۔

میرے نزدیک ملک میں جمہوری عمل تب ہی برگ و بار لا سکتا ہے کہ پنجاب اس کا علمبردار بن کر کھڑا ہو۔ اصل اور بنیادی محرومی سیاسی حقوق سے محرومی ہے جس کے نتیجے میں معاشی، ثقافتی اور لسانی محرومیاں بھی جنم لیتی ہیں۔ اگر ملک میں جمہوری عمل بحال ہو جائے تو دوسری محرومیوں کے ازالے کا راستہ بھی کھل جاتا ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں سیاسی محرومی کا عمل اتنے خوفناک نتائج پیدا کر چکا ہے کہ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ جیسا "پنجابی" اور "پاکستانی" بھی یہ کہنے پر مجبور ہے کہ "اب صرف جمہوریت کی بحالی سے مسائل حل نہیں ہوں گے"۔ اگر میں نے بھی وہی بات کہہ دی ہے تو آپ مجھے "پنجاب کو موردِ الزام ٹھہرانے کی دانشوری" کا طعنہ دے رہے ہیں۔ حالانکہ میری تگ و دو کا مقصد ہی یہ ہے کہ اہلِ پنجاب بے حسی، جمود، تعطل اور بالفاظِ دیگر "دانش وری" کی اس روش کو چھوڑ کر ملک کی سیاست میں فعال حصہ لیں، صحتمندانہ بنیادوں پر افہام و تفہیم کا آغاز ہو اور ہم ایک دوسرے کے گلے شکوے سُن کر آپس کی غلط فہمیوں کا ازالہ کریں —

علامہ اقبال کے اس شعر کے ساتھ اپنی گذارشات ختم کرتا ہوں کہ : ؎

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

(۲)

.... گویا یہ بھی اُن کے دِل میں تھا

امیرِ تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ماہِ گذشتہ اندرونِ سندھ کے دورے کے بعد پہلے ہی خطابِ جمعہ میں لاہور کے سامعین کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا۔ دل کے کانوں سے سننے والوں نے بھی ان کا درد اور اضطراب ضرور محسوس کیا ہوگا تاہم ان کے قریب ترین ساتھی ہی خوب جانتے ہیں کہ وہاں سے واپسی پر وہ اپنے قلب و دماغ پر کتنا بڑا بوجھ لاد کر لائے ہیں۔ بقول ان کے صورت حال کے تجزیہ کی حد تک تو اس دورہ نے ان کی معلومات میں ایسا کوئی اضافہ نہیں کیا جو "استحکامِ پاکستان اور مسئلہ سندھ" نامی کتاب میں بیان کردہ ان کے نقطۂ نظر میں کسی بڑی تبدیلی کا متقاضی ہو لیکن نتائج و عواقب کا جو ہولناک نقشہ وہ دیکھ اور سن کر آئے ہیں اس کی ہولناکی اُن کے اندازوں سے کہیں بڑھ کر نکلی۔ ملکِ خداداد ۱۹۷۱ء میں دولخت ہوا تو بعد از مرگ واویلا کرنے میں یہاں چند بدبختوں کے سوا کوئی بھی کسی سے پیچھے نہ رہا لیکن آج ضرورت پیش از مرگ واویلے کی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اہلِ پاکستان کو بالعموم اور پنجاب والوں کو بالخصوص جھنجھوڑنے میں اپنی سی کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن کون سنتا ہے فغانِ درویش کہ کاروان کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا۔ تاہم ان کے سینے میں ہے 'جذبوں کا تلاطم' اب تک۔ وہ معذرتاً الی اللہ اپنے سعی و جہد جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کے خطبۂ جمعہ کا یہ حصّہ ظاہر ہے کہ اُسی حد تک اخبارات میں نمایاں ہو سکا جیسی کچھ اہمیت مسئلہ سندھ کو یہاں دی جا رہی ہے۔ بایں ہمہ روزنامہ 'ڈان' کراچی نے اسے کما حقہٗ اہمیت دی اور ایک طویل اداریہ سپردِ قلم کیا ہم کسی آبگینے کو ٹھیس لگانے کی خواہش رکھے بغیر عرض کریں گے کہ درد وہیں ہوتا ہے جہاں چوٹ لگی ہو۔ 'ڈان' سندھ کے دارالحکومت کراچی سے

شائع ہوتا ہے اور اس کے مالکان نجیب الطرفین سندھی ہونے کے ناطے اپنے صوبے کی صورتِ حال کا یقیناً بہتر ادراک رکھتے ہیں۔ انہیں ڈاکٹر صاحب کی "کمزور سی آواز" سُن کر محسوس ہوا کہ گویا یہ بھی ان کے دل میں تھا۔ راقم نے "ڈان" کے شمارہ ۲۳ فروری ۸۷ء کے اداریے کا تقریباً لفظ بلفظ ترجمہ کیا ہے تاکہ سطور اور بین السطور دونوں ہی کو قارئین ازخود سمجھنے کی کوشش کریں۔ ایک ہی بات کو اس مؤقر انگریزی روزنامے نے جس انداز میں دہرایا ہے اور ایک ہی مضمون کو جس طور سو رنگ سے باندھا ہے اس سے ہر دردمند پاکستانی بخوبی محسوس کرلے گا کہ معاملے کی نوعیت کس درجہ سنگین ہے۔ ورنہ پنجاب میں تو ہمارے مہربان و مشفق ناصحین ڈاکٹر صاحب موصوف کو ایک یاس و بے لقینی کا شکار واعظ شمار کرتے ہیں جس کے ہاتھ لوگوں کو چونکانے کے لئے ایک موضوع لگ گیا ہے۔ یہاں تو سب اچھا ہے، شادمانی بستی ہے، بسنت کی مستی ہے، گرمیٔ بازار ہے، جشنِ نوبہار ہے، لاکھوں کی آتش بازی ہے، رقصِ اسپ تازی ہے، کرّ و فرِ کروڑوں کا صرفہ ہے، نمود و نمائش میں دادطلبیٔ دو طرفہ ہے، کتوں کے حُسن کو انعام ہے، "فنکاروں" کا اکرام ہے، نشاطِ امروز کو فروغ ہے، فکرِ فردا کیا؟ دروغ ہے۔ الغرض ہر روز روزِ عید ہے ہر شب شبِ برات —— (اقتدار احمد)

DAWN

Monday, February 23, 1987

Sane advice

DR ISRAR AHMAD'S suggestion to the ulema and intellectuals of Punjab to visit Sind to study the political situation in the province is both timely and eminently sensible. The well-known religious leader was giving his impressions of a 12-day study tour of Sind which appears to have proved instructive for him. In stressing wider contacts between the two provinces, he lamented the fact that despite considerable progress in media communication, the people of Punjab and Sind were not adequately informed of the conditions and thinking of each other. This is largely attributable to the limited inter-provincial contact at the popular level. Administrators, bureaucrats and policy-makers from Islamabad and Lahore no doubt pay visits to Sind — mainly Karachi — but such contacts are primarily of an official nature. When they do get to meet the people, it is more often at the level of pre-arranged brief meetings with

some representatives of the public, the Press, learned bodies and professions or business institutions. These do not really give them a true picture of how the common man in Sind feels, how he perceives various issues and what his grievances are. As for a people-to-people rapport between the two provinces, it is practically next to nil in the sense that there is very little of intermingling and intercommunication at social and cultural levels, which could promote mutual understanding and a feeling of affinity. Domestic tourism is as good as non-existent and the few non-officials from Punjab who travel to Sind do so for a limited purpose — for meeting friends and relatives or looking for jobs or business prospects. Political platform often brings party leaders and cadres from other provinces together here in Sind as elsewhere. But such contacts by their very nature and purpose take place on a different wavelength altogether. These generally have to do with broader political issues and offer very little scope for studying the people's problems in depth or in getting acquainted with their thinking and feeling in any meaningful sense. Moreover, whatever inter-provincial contacts have been developed are confined to Karachi. The interior of Sind virtually remains an unfamiliar world for the people of Punjab as for those of the rest of the country, including even Karachi. As could be expected, this lack of inter-communication between the two major provinces, Punjab and Sind, has had a stultifying effect on the growth of inter-provincial understanding and ethnic harmony.

One way of overcoming this weakness is to promote closer contacts of Punjab's leaders of opinion with those of Sind. If the scholars, intellectuals, ulema, journalists, writers and social leaders of Punjab pay more frequent visits to the towns, villages and countryside of this province, they would gain a better insight into the thinking, beliefs and perceptions of the people here. True, some of the knowledge thus gained might even be hurtful at first but in due course it would help promote a better understanding between the two regions and remove the bitterness and antipathy that have come to colour their perception of each other. Opinion-makers in Punjab have a crucial role to play in this context. If they decide to gain a first-hand knowledge of Sind and try to understand the problems and grievances of the people here in a sympathetic spirit, they will have made a major contribution towards removing the barriers of misunderstanding between the two provinces. Armed with this knowledge, writers, scholars and ulema can educate the masses in their own province. The point to emphasise is that if Sind or any other of the smaller provinces feels aggrieved on grounds of the predominance of Punjab in all positions of power, including the bureaucracy and the

armed forces, and considers itself politically and economically disadvantaged or discriminated against, it is for the majority province to try to understand this feeling in relation to its causes and implications — and not to turn away from it in a spirit of indignant rejection. Indeed, if a basically sympathetic and constructive approach is adopted, it will be possible for government leaders, administrators and opinion-makers in Punjab to initiate or counsel remedial action where and to the extent necessary. The crucial factor is an assurance of sympathetic understanding of the problems and grievances of the smaller provinces. Given this, a lot of inter-provincial misunderstanding on basic political and economic issues is bound gradually to melt away.

ایک دانشمندانہ مشورہ

ڈاکٹر اسرار احمد کا پنجاب کے علماء اور دانشوروں کو صوبے کی سیاسی صورتِ حال کے مطالعہ کے لئے سندھ کے سفر کا مشورہ بروقت بھی ہے اور حد درجہ دانشمندانہ بھی۔ یہ مشورہ اس معزز دینی رہنما نے اپنے بارہ روزہ دورۂ سندھ کے تأثرات بیان کرتے ہوئے دیا جو اُن کے لئے سبق آموز ثابت ہوا ہے۔ دونوں صوبوں کے درمیان وسیع تر روابط کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے انہوں نے حسرت سے اس حقیقت کا ذکر کیا کہ ذرائع ابلاغ کے قابلِ لحاظ ارتقاء کے باوصف پنجاب اور سندھ کے باسی ایک دوسرے کے احوال اور سوچ کی نہج سے ایک مناسب حد تک آگاہ بھی نہیں ہیں۔ یہ کیفیت عوامی سطح پر بین الصوبائی رابطے کے محدود ہونے کا نتیجہ ہے۔ اسلام آباد اور لاہور سے منتظمینِ سرکار، افسرانِ بالا اور اربابِ حل و عقد یقیناً سندھ کے ——— لیکن اکثر اوقات بس کراچی کی حد تک ہی ——— دورے فرماتے رہتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ روابط بکارِ سرکار ہی قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ انہیں کبھی عام لوگوں سے واسطہ پڑ ہی جائے تو وہ بھی بالعموم مخصوص عوامی نمائندوں، اخباری وقائع نگاروں اور پیشہ ورانہ تنظیموں یا کاروباری اداروں سے طے شدہ مختصر ملاقاتوں کی سطح پر رہتا ہے۔ یہ سب کچھ انہیں تصویر کا یہ رُخ دیکھنے کا موقع ہرگز فراہم نہیں کرتا کہ سندھ کا عام آدمی کیا محسوس کر رہا ہے۔ متنوع مسائل پر اس کا زاویۂ نگاہ کیا ہے اور یہ کہ اس کی اصل شکایات ہیں کیا؟ جہاں تک دونوں صوبوں کے عوام میں کسی جذباتی بندھن کا تعلق ہے تو اس پر ان معنوں میں الشاذ کالمعدوم کا حکم لگایا جا سکتا ہے کہ

وہ باہمی اختلاط اور سماجی و ثقافتی مراسم نہ ہونے کے برابر ہیں جو افہام و تفہیم اور قربت کے احساسات پیدا کرنے کا باعث بن سکیں بھر اندرون ملک سیر و سیاحت کا شوق بھی عنقا رہے اور پنجاب سے جو معدودے چند غیر سرکاری شخصیتیں سندھ کا سفر اختیار کرتی ہیں ان کے مقاصد بھی متعین ہوتے ہیں۔ اعزا و اقربا سے ملاقات یا پھر ملازمتوں کی تلاش اور کاروباری مواقع کی جستجو۔ سیاسی تقاریب سندھ میں بھی دوسرے صوبوں کی طرح گاہے گاہے کسی سیاسی جماعت کے مختلف صوبوں سے متعلق قائدین اور فعال کارکنوں کو یکجا کر دیتی ہیں لیکن رابطے کی یہ شکل بھی اپنی نوعیت اور مقصد کے اعتبار سے ہی مختلف اساسات پر استوار ہوتی ہے کیونکہ ان میں بالعموم وسیع تر اور ملک گیر سیاسی مسائل تو زیر بحث آتے ہیں لیکن عوام کے مسائل کا کسی قدر گہرائی میں مطالعہ یا ان کے خیالات و محسوسات سے واقفیت حاصل کرنے کی کوئی بامقصد کوشش ان کا موضوع نہیں ہوتی۔ ایک تلخ حقیقت یہ بھی ہے کہ جیسے کچھ بین الصوبائی روابط تا حال قائم ہو سکے ہیں ان کا مرکز و محور بھی صرف شہر کراچی ہے۔ اندرون سندھ پنجاب کے لوگوں کے لئے کبھی عملاً اتنا ہی نامانوس ہے جتنا ملک کے دوسرے حصوں کے لئے بلکہ خود کراچی کے لئے ہے۔ اس صورت حال کا متوقع نتیجہ یہی ہو سکتا تھا اور ہوا کہ دو بڑے صوبوں ــــ پنجاب اور سندھ ــــ میں باہمی روابط کے فقدان نے بین الصوبائی ہم آہنگی اور نسلی وحدت کے ارتقار کو جمود کا شکار بنا کے چھوڑا ہے۔

اس کمزور پہلو کو تقویت دینے کا ایک نسخہ یہ ہے کہ پنجاب میں فکری رہنمائی دینے والے لوگ سندھ کے ہم پلہ رہنماؤں سے قریبی تعلقات پیدا کریں۔ اگر پنجاب کے اہل علم، دانشور، علمائے دین، صحافی، اہل قلم اور سماجی رہنما سندھ کے چھوٹے بڑے شہروں، دیہات اور اندرونی علاقوں میں نسبتاً زیادہ آمد و رفت رکھیں تو انہیں یہاں کی سوچ، معتقدات اور تصورات کی بہتر آگہی حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ اندیشہ بھی موہوم نہیں کہ اوّل اوّل یہ آگہی شاید زیادہ ہی حوصلہ شکن ثابت ہو لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اس کے ذریعے دونوں علاقوں کے درمیان زیادہ بہتر ہم آہنگی پیدا ہو گی اور وہ تلخی اور دوری ختم ہو گی جس نے ایک دوسرے کے خیالات کو مختلف رنگ دے دیئے ہیں۔ اس پس منظر میں دیکھا جائے تو پنجاب کے ان لوگوں کے لئے اہم ترین کردار ادا کرنے کا موقعہ موجود ہے جو عوامی سوچ کے زاویے متعین کرتے ہیں۔ اگر وہ لوگ سندھ کے بلاواسطہ مطالعے کے قصد کے ساتھ وہاں کے لوگوں کی مشکلوں اور پریشانیوں کو ہمدردی سے سمجھنے کی کوشش کریں تو فی الحقیقت دونوں صوبوں کے درمیان حائل سوئے ظن کی خلیج پاٹنے میں

اُن کا یہ کام بہت اہم ہوگا۔ اس براہِ راست مطالعہ کی مدد سے اہلِ قلم، صاحبانِ علم اور علماءِ دین خود اپنے صوبے، پنجاب میں بھی اپنے عوام کو معاملے کا صحیح ادراک دے سکیں گے۔ جس نکتے پر زور دینا مقصود ہے اسے یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ اگر سندھ یا کوئی دوسرا چھوٹا صوبہ بیوروکریسی اور فوج سمیت اختیار و اقتدار کی ہر سطح پر پنجاب کی بالادستی سے نالاں ہو اور خود کو سیاسی اور معاشی میدان میں محرومی یا معکوس امتیازی سلوک کا شکار سمجھنے لگے تو اکثریتی صوبے پر واجب ہے کہ اس احساسِ محرومی، اس کے اسباب اور اس کے واقعی اثرات کو سمجھنے کی کوشش کرے نہ یہ کہ اغماض اور تنفر کی روش اختیار کئے رکھے۔ واقعہ یہ ہے کہ پنجاب کے اربابِ حکومت، کارپردازانِ سرکار اور اہلِ رائے راہنماؤں کے لئے مناسب حد تک تلافیٔ مافات کے طریقوں کی تلاش اور ان پر عملدرآمد تبھی ممکن ہوگا جب وہ بنیادی طور پر ہمدردانہ اور تعمیری رویہ اپنانے کا فیصلہ کریں۔ چھوٹے صوبوں کو ان کے مسائل اور احساساتِ محرومی کے بارے میں ہمدردانہ افہام و تفہیم کی یقین دہانی کرانا ہی اب فیصلہ کن عامل ہے۔ یہ ہو تو اساسی سیاسی و معاشی مسائل پر موجود بین الصوبائی کدورت رفتہ رفتہ بڑی حد تک تحلیل ہو جائے گی۔

(۴)

From prehistoric times to 1970

History of Sind at a glance

By Sayid Ghulam Mustafa Shah

Sind takes its name from Sindhu (the name of river Indus). Historically it comprised the whole Indus Valley from Kashmir to the Arabian Sea. Modern Sind, geographically, is bounded by Baluchistan, Khirthar and Halar mountains on the west, Sibi and Bughti areas on the north, Bhawalpur and Rajasthan on the north-east and east and the Arabian Sea on the south. The entire landmass can be divided into three parts. The central part, which has a rich alluvial soil and through which passes the river Indus; the sandy and desert areas in

the east and on the right the mountains extending along the entire border to the Arabian Sea.

Throughout history Sind has more to do with countries on its west than with India (Hind). Hind and Sind were separate territories. Sind had greater contact with Arabia, Iraq, Iran and Afghanistan than with India.

The Indian hold on Sind began from the days of Delhi Sultanate but it remained casual, precarious and uncertain. Greek historians debated whether the Indus was the dividing line between Hind and Sind. The Persian and Arabian travellers and historians and geographers always emphasised that the Indus valley formed the buffer zone between India and western countries. Moen-jo-Daro civilization is a non-Aryan civilization and so different from the civilizations in India.

Sind is an archeological oasis. In the history of Sind there appears to be a vacuum between 2500 to 2000 B.C.; and it is only after that we come to the more reliable and more dependable portion of Sind's history. The history of Sind begins from 520 to 515 B.C. when Darius I sent forces and annexed Sind to the Persian Empire. Two centuries later Sind was visited by Alexander the Great whose marches and sojourns through the valley have been recorded by Greek historians. Sehwan is said to have been founded by Alexander the Great, and his return march to Greece took him to Khuzdar and Kharan in Baluchistan.

Sind remained under Greek-Mongolian influence for sometime as is evidenced from the finds of Moen-jo-Daro. For some time the rulers of Sind lived under the suzerainty of Mauryan dynasty. Greek rule was re-established by Bacterian Greek conquest in 195 B.C.

The Greeks were followed by Scythians who were Turks by race. Later, about 100 B.C. Buddhist influence worked and prevailed as is found from material discovered in Moen-jo-Daro. Scythians had their centre of activity in Bambhore, and they advanced along the coast of the Arabian Sea. The Scythians and Kushans were of Turkish descent and this brought Sind under the influence of Turkish culture. One of the great emperors of Kushan dynasty, Kanishka, became the protector of Buddhism which had spread in Sind from 100 B.C. to 100 A.C. One of Kanishka's successors ruled Sind and his coins have been found at Moen-jo-Daro.

Turkish influence increased under the Parthian kings evidence of their rule is found in Seistan, Kandhar and Sind. At this stage Brahmanism had established its foothold in Sind among the ruling classes, but the masses of people continued to follow Buddhism. Turkish influence got some ascendancy under the Huns and thus Buddhism received a setback. The Huns dominated Persia and Sind. Under Naosherwan, Sind was annexed to the Persian empire. The rise of Sassanid empire in the third century brought Sind under the sway of Persia.

Arabs

In the sixth century Sind became independent of Persia. Persian influence waned after the death of Khusrow Pervez. With the weakening of Persia, Chuch the ruler of Sind asserted his independence and tried to invade the Makran province of Persia. This brought him in contact with the Arab forces in Makran.

A period of hostility between Arabs and Chuch began and this got worsened the reign of Dahar, the son of Chuch. Arabs tried to follow the policy of peace and coexistence but Dahar made it impossible, and Hujjaj bin Yusif, the Umayyad Governor of Iraq, was

forced to send Arab forces under Muhammad bin Qassim to chastise Dahar. A police of restraint was followed by pious Caliphate and Ummayads, and only when peaceful efforts failed, had Sind to be conquered and made part of the Ummayad empire in 712.

For about 400 years from now on Sind remained an integral part of Ummayad and Abbasid dynasties. Provincial Governors were appointed by the Arab Central Governments, and history has recorded some 37 names of these governors. By the end of the 9th century the Saffarids administered Sind for Baghdad. After the weakening of the Central Arab authority, local Arab dynastic rule continued for nearly 130 years which included the Fatamid influence from Egypt. Sultan Mahmood and his son Masood came next. The Sumras of Sind came under Fatamid influence, but they subsequently revolted and established their independent rule in Sind.

Arab rule brought Sind within the orbit of Muslim civilization. Sindhi as a language developed further and Nashh was introduced. Sindhi scholars began to play their part in various Arab and Muslim empires. The evidence of Mansura, the Capital of Arabs in Sind, testifies to the greatness of Arab administration.

Sumras (1060-1350) were the native sons of Sind and they fraternized with the Arabs. They accepted Islam and grew strong and established independent rule in Sind. Names of 21 Sumra rulers are recorded in history. They ruled Sind for about 300 years. The great Sindhi romantic stories of Doda Sumra and Alauddin inform us of the invasion of Allauddin and the resistance put up by the Sumras. Tharri, Muhammad Tur and Rupah were centres of their activities. This is considered to be the most romantic period in Sind's history which gave birth to patriotic literature and folk songs. In this period lived Qalandar Lal Shahbaz at Sehwan.

The Sumras were followed by Summas (1350-1520) who had accepted Islam in the 8th Century. They called themselves Jams. They made Thatta their capital. The tomb of Jam Nizamuddin, the 17th ruler, at Makli is a great architectural beauty. It was during this period that Sind came in direct contact with Delhi, and Persian became the official language in place of Arabic. This period marks the beginning of Sufistic thought and teachings in Sind.

Shah Beg Arghun sent his armies and conquered Sibi, a province of Jam Nizamuddin. The Kandhar forces were defeated by a Commander of Jam Nizamuddin (Darya Khan) and Muhammad Beg, the brother of Shah Beg, was killed. Under the impact of Baber's invasion Shah Beg left Kandhar and marched on Sind. Jam Nizamuddin was successed at this time by Jam Feroz, who being a very weak ruler, surrendered; thus Arghun power was established in Sind. The Arghun dynasty (1520-1555) weakened after the death of Mirza Shah Hassan (son of Mirza Shah Beg). It was at this time that Humayun came to Sind and Akbar was born in Umarkote.

At this time lived Shah Abdul Karim of Bhurai, the poet-saint of Sind. He was grand father of Shah Abdul Latif Bhitai. At this time also lived Makhdoom Nooh of Hala. He was the first man to translate the Holy Quran into Persian in the Indo-Pakistan Subcontinent.

On the death of Mirza Shah Hassan, Sind was divided into two parts. The kingdom of Thatta under Mirza Isa Turkhan and kingdom at Bakhar of Sultan Mahmood Khan. The Turkish rulers (1555-1592) never pulled together well and this facilitated the Portuguese incursions in Sind. The Portuguese sacked Thatta in 1557, burning the

city and massacring its population. This invasion increased further hostility among the sons of Mirza Isa in which Mirza Baqi won and he ruled with high handedness and terror. Peace returned to Sind in the reign of Mirza Jani Beg. During his time Mughal Armies marched against Sind and Mirza Jani Beg surrendered to Khan-e-Khanan.

Mughals

Sind was thus conquered for Emperor Akbar but it was still administered as a Jagir by Mirza Jani Beg and his son Mirza Ghazi Beg. After his death, Sind passed under the direct control of Mughal Emperor. Nearly 40 governors were appointed during the Mughal period (1592-1773) who served in Sind.

Sind saw a new real change by the second half of the 16th century when Kalhoras established their authority in territories of Dadu Larkana. The Mughal rule was confined to Thatta and its surrounding areas. Kalhoras conquered Thatta, soon after they had consolidated their authority in the north.

During this period (1700-1780) the Kalhoras designed their administrative system on the lines of Mughals and took great interest in architecture and built a number of mosques and monuments at Rohri, Sukkur, Thatta and Sehwan.

By the end of the 17th Century Kalhora rule was firmly established and had received Mughal Imperial recognition during the reign of Farrukh Sayair.

Mian Noor Mohammad Kalhora was able to carry Kalhora administration to Thatta and his son Ghulam Shah was one of the most illustrious rulers of that dynasty. He founded Hyderabad.

This is when Shah Abdul Latif Bhitai lived and gave us his poetry. This is the period in which Makhdoom Mohammad Hashim Thattavi Shah built the tomb of Shah Abdul Latif Bhitai. After his death the Kalhora power weakened and under the leadership of Mir Fateh Ali Khan Talpur the Baloch tribues revolted against the Kalhoras and defeated Mian Abdul Nabi in the battle of Halani.

The Talpurs of Sind soon captured Karachi, Khairpur and Umerkot. They ruled Sind for about 60 years (1782-1843) and on account of their tribal dissensions and rivalries made it possible for the British to come in. In the year 1843 Sind was conquered by Sir Charles Napier and the Mirs of Sind were defeated in the battles of Miani, Dabo and Kunri. The British began their attack on Sind from their establishments in Bombay and Gujrat and that is why Sind was annexed to the Bombay Presidency.

The Muslims of Sind, in the beginning of the 20th Century, started their struggle for the separation of Sind from the Bombay Presidency, and this demand gained concrete shape in the Round Table Conference of 1931-32 when it became a real issue. Moulana Muhammad Ali Johar demanded it and Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jinnah included the Separation of Sind in his famous 14 points. The leaders of Sind who played their part for the separation of Sind at the Round Table Conference were H.R.H. the Aga Khan, Sir Ghulam Hussain Hidayatullah and Sir Shah Nawaz Bhutto.

It is worth noting that Sind resisted British domination from the very day it was conquered. Sind was also a headache for the British imperial authority. Sind gave asylum and passage to Syed Ahmed Breilvi and Shah Ismail in their crusade against Sikhs and they passed through Sind and went to the Frontier Pronvince.

The Sikhs never dared to enter Sind in spite of their power and might in the Punjab.

Sind had to face Martial Law more than a dozen times from the year of its conquest 1843 to 1942. The revolt of Hurs was a phenomenon that the British had always to contend with. There are a number of great men in the history of Sind who played their part in refusing to accept British authority in Sind. They were men like Darya Khan Jakharani, Dil Murad Khoso and Sayyid Inayat Shah and later Maulana Obaidullah Sindhi and Shaikh Abdul Majid Sindhi.

Sind was a very small territory in area and in population but in history it had played its part in educational, literary, administrative, political and international spheres out of all proportions to its size. Sindhi scholars, Sufis and administrators have left their mark on history from North Africa to India from the 9th Century to the present day.

The British knew the restiveness and recalcitrance and the spirit of revolt of the Muslims of Sind. They could never count on the absolute loyalty and unquestioned allegiance of the Muslims of Sind to their rule. They tried to exclude them from all their civil and military affairs. They counted for this on the Sindhi Hindus for civil administration and on the Punjab for their police and army needs. The Muslims of Sind could never accept seduction and collaboration witn the British.

As a result of the Round Table Conference and promulgation of the Government of India Act 1935, provincial assembly elections were held and Sind became an autonomous province of India in 1936.

The Muslims of Sind soon organized Muslim League in Sind under the guidance of Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jinnah. There took place the famous Muslim League conference in Karachi in 1938 which became a fore-runner for the Muslim League conference at Lahore in 1940 where the Pakistan Resolution was passed. Sind Assembly was the first provincial legislature in India to pass a resolution supporting the idea of Pakistan, and this resolution was moved by Mr G.M. Sayed in the Sind Provincial Assembly as President of the Sind Provincial Muslim League.

At the time of independence Sind was the only province of Pakistan which became part of the country geographically as it was. Bengal was divided, the province of Punjab was divided. The Frontier was under the administrative control of Congress Government and was offering resistance to joining Pakistan, and there was Afghanistan working against Pakistan. Baluchistan remained an uncommitted territory for some time. Kashmir became a disputed territory. Sind was the only province which joined Pakistan and wholeheartedly.

Sind continued to be a separate province of Pakistan till the year 1955 when by administrative orders it was merged into One Unit of West Pakistan. It created any amount of ill-will and bad blood resulting in many tragedies. The artificial scheme of One Unit had to be abandoned and it was undone, and all the old Provinces of Pakistan were re-established in 1970.

(۳)

سندھ کی صورتِ حال

ڈاکٹر عبدالخالق

سندھ پاکستان میں مختلف النوع محرومیوں کے احساس کا سب سے بڑا مظہر بن چکا ہے اور سیاسی و معاشی سماجی و معاشرتی، نسلی و لسانی اور تہذیبی و ثقافتی جملہ اقسام کے تصادموں کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ لہٰذا اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ اس کے مسائل کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جائے اور حقیقی اور واقعی شکایات کے مستقل ازالے کی تدابیر اختیار کی جائیں۔

ملک گیر سیاسی محرومی اور معاشی استحصال

اس محرومی کا سب سے گہرا اور بنیادی سبب وہ ظالمانہ اور استحصالی سیاسی و معاشی نظام ہے جو پورے ملک پر مسلّط ہے۔ اور جس کے نتیجے میں پاکستانی قوم شدید قسم کی افقی تقسیم اور محاذ آرائی کا شکار ہو گئی ہے۔

آزادی کے ثمرات عوام تک نہیں پہنچے انہیں نوابوں جاگیرداروں، میروں پیروں زمینداروں اور وڈیروں نے اچک لیا۔ پھر ان میں سول بیوروکریسی حصہ دار بنی اور آخر میں فوج نے قبضہ جما لیا۔ فوج، سول سروس اور خداوندان زمین نے نودولتیوں کا نیا طبقہ پروان چڑھایا بیشتر زمیندار کارخانوں کے مالک بن گئے اور بہت سے فوجی جرنیل زمیندار اور صنعت کار۔ یوں اس اتحادِ ثلاثہ نے ملکی وسائل اور عوام کے حقوق کا استحصال کر رکھا ہے۔ قومی آمدنی کا غالب ترین حصہ ان کے مفادات پر صرف ہوتا ہے۔ عوام کے حصے میں محرومیاں آتی ہیں۔ عام آدمی پنجاب، سرحد، بلوچستان سندھ ہر جگہ ظلم کی چکی میں پس رہا ہے۔ پوری پاکستانی قوم کے تحت الشعور میں ایک بے چینی اور احساسِ محرومی سرایت کئے ہوئے ہے البتہ اس کا احساس و شعور سندھ کے باسیوں کو سب سے بڑھ کر ہوا ہے۔ ایک تو مرکزی سول بیوروکریسی میں قدرتی طور پر پنجاب غالب ہے دوسرے مارشل لا کے تسلسل نے فوج کے سب سے مضبوط قومی ادارے کو بھی پنجابی استحصال کی علامت بنا دیا ہے۔ جس کی وجہ سے عام سندھی نوجوانوں میں پنجاب کے "دیسی سامراج"

اور "نوآبادیاتی نظام" سے شدید نفرت پائی جاتی ہے۔

مہاجرین کی مسلسل آمد اور کراچی میں پنجابیوں اور پٹھانوں کی بھاری تعداد میں بے روک ٹوک منتقلی نے سندھیوں کو اپنے صوبے میں اقلیت میں تبدیل ہونے کے خدشے میں مبتلا کر رکھا ہے۔ قدیم سندھیوں کو اُردو بولنے والے مہاجرین سے سندھی تہذیب و ثقافت اور زبان و ادب کے خاتمے کا خدشہ لاحق ہے۔ دوسری طرف مہاجرین شدید محرومی اور مایوسی کا شکار ہیں۔ کوٹہ سسٹم اور شہری اور دیہاتی کی تقسیم نے اردو بولنے والوں کے نوجوانوں کی اہلیت کی قدر گھٹا دی ہے۔ ۱۹۷۱ء میں بنگال میں ان پر ظلم کے پہاڑ ٹوٹے۔ پھر سندھ میں لسانی ہنگاموں نے انہیں اپنے وطن میں ناپسندیدہ شہری بنا دیا۔ پٹھانوں سے تصادم نے انہیں اپنی جائے امان میں سنگین عدم تحفظ کا احساس دلایا۔

اخلاقی بحران جنرل ضیاءؒ الحق صاحب کی مذہبی ٹیپ ٹاپ کے مظاہر اور نفاذِ شریعت کے دعووں کے برعکس پیش رفت نے قوم کو انفرادی اور اجتماعی اخلاقی کردار کی پستی کی انتہا و منافقت تک پہنچا دیا۔ مسلم قومیت کا جذبہ جو تحریک پاکستان کی بنیاد تھا آزادی کے بعد سرد پڑتا چلا گیا اب اس کی جگہ نسلی و لسانی قومیتوں اور علاقائی اور صوبائی عصبیتوں نے لے لی ہے۔ مذہبی فرقہ واریت بھی اپنی انتہا کی طرف تیزی سے رواں دواں ہے۔ گویا ہم بحیثیت قوم آگ کے ایک گڑھے کے بالکل کنارے پر کھڑے ہیں۔

مستقل علاج اور فوری تدابیر

مستقل علاج پاکستان کی اساس بھی اسلام کا مذہبی جذبہ تھا اور اس کی بقا اور استحکام کے لئے بھی سوائے اس مذہبی جذبے کے کوئی اور سہارا موجود نہیں۔ اس کے لئے حسب ذیل چیزیں ناگزیر اور لازمی ہیں۔

۱۔ ایک ایسا طاقتور انسانی جذبہ جو جملہ حیوانی جبلتوں پر غالب آجائے اور قوم کے افراد میں کسی مقصد کے لئے تن من دھن لگا دینے حتیٰ کہ جان تک قربان کر دینے کا مضبوط ارادہ اور قوی داعیہ پیدا کر دے۔

۲ - ایک ایسا ہمہ گیر نظریہ جو افرادِ قوم کو ایک ایسے مضبوط ذہنی و فکری رشتے میں منسلک کرکے بنیانِ مرصوص بنا دے جو رنگ، نسل، زبان اور زمین کے تمام رشتوں پر حاوی ہو جائے اور اس طرح قومی یک جہتی اور ہم آہنگی کا ضامن بن جائے!

۳ - عام انسانی سطح پر اخلاق کی تعمیرِ نو جو صداقت، امانت، دیانت اور ایفاءِ عہد کی اساسات کو از سرِ نو مضبوط کر دے اور قومی و ملّی زندگی کو رشوت، خیانت، ملاوٹ جھوٹ، فریب، ناانصافی، جانبداری، ناجائز اقربا پروری اور وعدہ خلافی ایسی تباہ کن بیماریوں سے پاک کر دے۔

۴ - ایک ایسا نظامِ عدلِ اجتماعی (SYSTEM OF SOCIAL JUSTICE) جو مرد اور عورت، فرد اور ریاست، اور سرمایہ اور محنت کے مابین عدل و اعتدال اور قسط و انصاف اور فی الجملہ حقوق و فرائض کا صحیح و حسین توازن پیدا کر دے!

تحریکِ پاکستان کے تاریخی اور واقعاتی پس منظر، اور پاکستان میں بسنے والوں کی عظیم اکثریت کی فکری و جذباتی ساخت، دونوں کے اعتبار سے یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ اس ملک میں یہ تمام تقاضے صرف اور صرف دین و مذہب کے ذریعے اور اسلام کے حوالے اور ناطے سے پورے کئے جا سکتے ہیں۔

حاصلِ کلام پاکستان کے استحکام کا واحد ذریعہ اسلامی انقلاب ہے۔

فوری تدابیر ہمارے مسائل کا مستقل حل تو اسلامی انقلاب میں مضمر ہے لیکن یہ انقلاب جہادِ فی سبیل اللہ کے مخلصانہ جذبے سے سرشار ایک منظم مضبوط اور ملک گیر انقلابی جماعت کے ذریعے ہی برپا کیا جا سکتا ہے ادھر قوم اور ملک کی کشتی ایک خوفناک بھنور میں گری ہے اسے اس بھنور سے نکالنے کے لئے پوری قوم کی متحدہ جدوجہد درکار ہے۔ ملک سلامت ہے تو اس میں کسی بھی انقلاب کی داغ بیل ڈالی جا سکتی ہے۔

البتہ فوری طور پر مسائل کی گہرائی اور جذبات کی شدت کو کم کرنے کے لئے:

۱ - عوام کو ان کے سیاسی حقوق فی الفور لوٹا دیئے جائیں۔ اس سے سماجی اور معاشی سطح پر ظلم و استحصال کا خاتمہ تو نہیں ہو گا کیونکہ موجودہ نظام کے تحت انتخابات سے بھی مراعات یافتہ اور ہمہ مقتدر طبقات ہی چہرے بدل کر سامنے آئیں گے اور وہ اپنے ناجائز

مفادات کے تحفظ کے لیئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے تاہم جمہوری حقوق کی بحالی اور سیاسی عدل و مساوات کا قیام روحِ عصر کا تقاضا ہے اور آج بدترین آمریت بھی بکراہ ہی سہی اس کی طرف چلنے پر مجبور ہے۔ بار بار کے انتخابات سے سماجی شعور بیدار تر ہوتا جائے گا اور یوں معاشی اور معاشرتی سطح پر بھی عدل و انصاف کی بنیاد پڑے گی۔

ملک میں جلد از جلد عام جماعتی بنیادوں پر عام انتخابات کرائے جائیں اور ان میں حصہ لینے پر کسی پارٹی پر کوئی پابندی نہ ہو۔

۲ - پاکستان کی سالمیت اور وفاقی طرزِ حکومت پر یقین رکھنے والے تمام سیاسی رہنماؤں کے باہمی مشورے اور مذاکرات سے دستوری مسئلے کا حل تلاش کیا جائے۔ یا تو ۱۹۷۳ء کے اصل دستور کے مطابق ایک قومی اسمبلی وجود میں آئے جو متنازعہ دفعات کو معروف روایات کے مطابق تبدیل کرلے۔

یا اگر تمام سیاسی زعماء اور مدبرین اس بات پر اتفاق کریں کہ انتخابات خالصتًا دستور سازی کے لئے ہوں تو آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کے ذریعے متفقہ لائحہ عمل کے مطابق ایک دستور ساز اسمبلی تشکیل دی جائے جو ایک سال میں لسانی اور ثقافتی اکائیوں کے حقائق کو جانچ پرکھ کر ملکی دستور میں ان کے لئے تحفظات فراہم کرے مرکز اور صوبوں میں تقسیم کار اور اختیارات کا تعین کرے۔ دستور سازی کے لئے ایک سال کی مدت مقرر کر دی جائے اگر منتخب اسمبلی اس مدت میں دستور تیار نہ کر سکے تو اسے توڑ کر نئی دستور یہ کے انتخابات کرا دیئے جائیں۔ ●●

بقیہ: مراحلِ انقلاب

اہم ہے چونکہ اس کا تعلق ہماری اپنی عملی زندگی اور ہماری دینی زندگی کی اس ذمہ داری سے متعلق ہے جو فریضہ اقامتِ دین کی جدّ وجہد کی صورت میں ہمیں ادا کرنی ہے۔ [1]

اقول قولی هٰذا و استغفر الله لی ولکم و لسائر المسلمین والمسلمات و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین!

---

[1] اس اہم موضوع پر محترم ڈاکٹر صاحب نے چار تقاریر میں اپنی گفتگو مکمل کی۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو ان چار تقاریر کی اشاعت کا سلسلہ آئندہ ماہ سے شروع ہو جائے گا (ادارہ)

حضرت شیخ الہندؒ

ایک بھولی بسری شخصیّت

قاری حمید انصاری

قاری حمید انصاری حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے معتمد علیہ رفیق کار مولانا محمد میاں منصور انصاری مرحوم و مغفور کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ ان کے والد ماجد کے تعارف کے لئے مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ نے اپنی خود نوشت سوانح حیات میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ نہ صرف یہ کہ کفایت کرتا ہے بلکہ 'سند' کا درجہ بھی رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کا عکس ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

(۴) مولانا منصور صاحب انصاری مرحوم ان کا اصلی نام محمد میاں تھا۔ موصوف حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند کے نواسے اور پیرجی عبداللہ صاحب انصاری مرحوم ناظم دینیات علیگڈھ یونیورسٹی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ حضرت شمس العلما مولانا حافظ احمد صاحب مرحوم ناظم اعلیٰ دارالعلوم دیوبند کے حقیقی بھانجے تھے۔ ان کا اصلی وطن انبہٹہ ضلع سہارنپور تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں تکمیل کرنے کے بعد مختلف مقامات میں خدمات تدریسیہ انجام دیتے رہے۔ دارالعلوم معینیہ اجمیر میں بعہدہ صدر مدرسی عرصہ تک کام کیا۔ اس کے بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اعانت ترجمہ قرآن کی خدمات انجام دینے کے لئے مقرر کئے گئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنے مشن کا ممبر بنایا اور اسکیم میں شریک کر لیا۔ جمعیۃ الانصار میں بھی مولانا عبیداللہ صاحب مرحوم کے ساتھ ان کے نائب بن کر عرصہ تک کام کرتے رہے۔ نہایت مستقل مزاج ذکی الطبع راز دار اور قابل اعتماد تھے۔ انھوں نے مشن کے کاموں کو نہایت زیادہ راز داری سے انجام دیا۔ ان کو اعزہ اور احباب نے ان کو بہت کوشش کے ساتھ توڑنا چاہا مگر یہ نہ ٹوٹے اور ہمیشہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ رہے۔ ان کو ڈگمگا دینے والے خطرات سے دوچار ہونا پڑا مگر یہ ثابت قدم رہے حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ سفر حجاز میں رفاقت کی خدمات انجام دیتے رہے۔ مکہ معظمہ میں گورنر حجاز غالب پاشا کی ملاقات ہونے اور ہدایات و تعلیمات مزید یہ حاصل کرنے کے بعد حضرت شیخ الہندؒ نے ان کو

ہندوستان واپس کیا اور اس پر مامور کیا کہ وہ ہندوستان جاکر حسب تعلیمات غالب پاشاؒ کارہائے متعلقہ انجام دیں اور مشن کے ممبروں کی رہنمائی فرماتے رہیں۔ حسب بیان رولٹ رپورٹ غالب نامہ ان کے پاس تھا موصوف جب حسب ہدایات ہندوستان پہونچے تو ریشمی خطوط انگریزوں کو مل چکا تھا۔ جگہ جگہ تفتیش اور پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی۔ بدخواہوں نے ان کے گرفتار کرانے کی کوشش کی۔ ان کو پتہ چل گیا اور بھیس بدل کر انھوں نے فرائض ہدایات انجام دیئے اور روپوش ہو کر یاغستان روانہ ہو گئے۔ سی آئی ڈی نے بہت کوشش کی مگر یہ ہاتھ نہ آئے اور یاغستان (آزاد علاقہ) میں بال بچوں (اہلیہ محترمہ دو صاحبزادوں وغیرہ) کو وطن میں چھوڑ کر چلے گئے اور بخیر و عافیت وہاں پہونچ گئے۔ وہاں کچھ عرصہ رہ کر پھر افغانستان (کابل) چلے گئے۔ امیر حبیب اللہ خاں صاحب کے اخیر زمانہ میں مولانا سیف الرحمن صاحب کے ساتھ گورنمنٹ ہند کی پروٹسٹ کی بنا پر کابل سے یاغستان کو روانہ کر دیئے گئے۔ انھوں نے یاغستان پہونچنے کے پہلے سے جب کہ بھیس بدلا تھا اپنا نام بھی بدل کر محمد منصور انصاری رکھ لیا تھا جس سے سی۔ آئی ڈی کو گرفتاری میں بڑی ناکامی ہوئی۔ امیر امان اللہ خاں صاحب کے زمانہ میں پھر کابل واپس ہوئے اور اپنی علمی استعداد وغیرہ کی وجہ سے بڑے علمی اور سیاسی عہدوں پر فائز ہوئے۔ جو مشن افغانستان سے استنبول امیر امان اللہ صاحب کے سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد بھیجا گیا تھا اس میں موصوف بھی تھے۔ بعہدہ وزیر مختار سفیر افغانستان کے ساتھ فرائض عہدہ انجام دیتے رہے۔ پھر ماسکو میں افغانی سفارت فوق العادت میں بحیثیت مشیر شریک رہے۔ کابل میں انھوں نے مختلف سیاسی اسلامی رسائل بھی تصنیف کئے جو کہ شائع ہو چکے ہیں[۱] ان کی روانگی کے بعد چونکہ ان کے متعلقین معاشی تنگیوں میں مبتلا ہو گئے تھے اس لئے ڈاکٹر انصاری مرحوم ۵۰ ماہوار سے تکفل فرماتے رہے انھوں نے یاغستان میں شادی بھی کر لی تھی۔ ان کے بڑے صاحبزادے مولانا حامد انصاری صاحب ہیں جو عرصہ دراز تک مدینہ بجنور کی ایڈیٹری کی خدمات نہایت لیاقت اور دانائی کے ساتھ انجام دیتے رہے اور پھر بمبئی چلے گئے اور روزنامہ جمہوریت جاری فرمایا۔ چھوٹے صاحبزادے والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد کابل چلے گئے اور ان دنوں وہیں مقیم ہیں منصور صاحب کا انتقال کابل میں ہو گیا رحمۃ اللہ تعالیٰ ورضی عنہ وارضاہ آمین۔

قاری حمید انصاری مولانا محمد میاں منصور انصاری مرحوم و مغفور کے دو چھوٹے بیٹے ہیں۔ جن کا ذکر مندرجہ بالا عبارت کے آخر میں ہوا ہے۔ وہ پچاس سال تک افغانستان میں

---

[۱] ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔ (۱) حکومت الٰہی (۲) اساس انقلاب یا مراقبہ نماز (۳) مجمل بیت تابعیت (۴) دستور امامت امت (۵) انواع الدول وغیرہ

مقیم رہے اور اس عرصے کے دوران امان اللہ خان، بچہ سقہ، نادر شاہ اور پھر ظاہر شاہ کی طویل بادشاہت کا زمانہ دیکھا اور اس کے بعد سردار داؤد اور پھر کمیونسٹوں کے دورِ اقتدار کے بھی سال ڈیڑھ سال کے حالات کا بچشم سر مشاہدہ کیا ـــــ اور بالآخر ۱۹۷۹ء میں "مہاجر" ہو کر پاکستان تشریف لے آئے ـــ ساری عمر 'مہاجر' کی کیفیت میں رہنے کے باعث شادی کی نوبت بھی نہیں آئی۔ اس وقت اسّی برس کے عمر ہے لیکن صحت بحمد اللہ اچھی ہے۔ اُن کے پاس اپنے والد ماجد کے چند مخطوطات محفوظ ہیں جنہیں وہ سینے سے لگائے پھر رہے ہیں۔ اگر اللہ نے توفیق دی تو انہیں 'میثاق' کے ذریعے سلسلہ وار ہدیۂ قارئین کیا جائے گا۔ سردست ان کا ایک مکتوب شائع کیا جا رہا ہے ـــ پچاس سال افغانستان میں گذارنے کے باعث ان کی اردو بہت کمزور ہو گئی ہے ـــ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اُن کے جذبات من و عن قارئین کے سامنے آئیں لہٰذا اس میں زیادہ ترمیم یا اصلاح نہیں کی جا رہی۔ (عاکف سعید)۔

محترم المقام حضرت مولانا ڈاکٹر اسرار احمد صاحب دامت فیوضکم!

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

ایک عرصے سے آپ حقائق اور دین اسلام کی حقیقت خاصہ پر جو تشریحات اور نکات انقلابی، اسلامی لہجہ اور بے ٹوک اپنے مؤقر ماہنامے کے ذریعے اور اکثر اوقات مختلف مقامات میں خطبات کی صورت بیان فرما رہے ہیں، میں پڑھ رہا ہوں، اس قحط الرّجال اور پُرفتن زمانے میں یہ چیز اسلام دوست اور دین پسند مسلمانوں کے لئے ایک آبِ حیات اور امیدوں کی کرن ثابت ہو رہا ہے۔ خداوند تعالےٰ آپ کو اور آپ کے رفقائے کار اور معاونین کو تا دیر زندہ و سلامت اپنے حفظ و امان میں رکھ کر اپنے پاک دین اور خدا تعالےٰ کی حاکمیت مطلقہ کے لئے اجتہادی اور جہادی خدمت لیتا رہے۔ آمین ثم آمین۔ آپ کا مؤقر ماہنامہ ایک ہفتہ ہوا ہے کہ اسلام آباد میں اپنے ماموں زاد بھائی جناب ڈاکٹر محمد سعود صاحب ریڈر ادارہ تحقیقاتِ اسلامی جامعہ اسلام آباد کے یہاں مجھے ملا یہ پرچہ جلد ۳۲ عدد ۱ ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ مطابق جنوری ۱۹۸۴ء کا تھا جو کہ آجکل زیرِ مطالعہ ہے۔ عرضِ احوال، الہدیٰ، اسلام کا جماعتی نظام، شرک اور اقسام شرک کا بغور مطالعہ کیا۔ اب پھر اُنکو دوبارہ پڑھ کر اپنے کو ایک نئی دنیا میں محسوس کیا (اگرچہ یہ تمام حقائق اور نکات وہی ہیں جو کہ آج سے چودہ سو سال پہلے حضور اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وخلفائے راشدین نے عملی صورت اور علمی حقائق کے طور پر ہمارے لئے لائحہ عمل کے طور پر بتلا اور سمجھا دیئے تھے مگر ہمیں آج وہ نئے اور اجنبی معلوم ہو رہے ہیں) جس کی وجہ ہماری اسلامی علوم اور سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہم کی اسلامی عملی زندگی سے ناواقفیت ہے مگر "قند مکرر" میں آپ کی جو تحریر مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور جمعیۃ علمائے ہند اور مخدومنا ومولانا مجاہد احیائے مجدد اسلام محمود الحسن صاحب (حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) کا مطالعہ میرے لئے بہت ہی خوشی وتعجب کا باعث ہوا۔ میں عرصے سے پاکستان میں ہوں مگر میں نے اس عرصے میں پاکستان کے کسی اخبار یا رسالے، یا ہفتہ وار مجلے میں مجاہد اعظم حضرت شیخ الہند کا نام تک نہیں پڑھا اور نہ کسی مجلس یا کسی شخص کی زبانی اونکی خدمات اور مجاہدات کے بارہ میں کچھ سنا (حالانکہ یہاں کے اخباروں اور رسالوں میں۔ پیروں فقیروں اور بزرگان دین اور بعض گذرے ہوئے لوگوں کے حالات، کرامات، خدمات بڑی بڑی جاذب نظر سرخیوں کے ساتھ دیکھنے میں آتے ہیں) مگر جن مردان حق نے دین مبین کے ارتقار اور اس کی اصلی روح کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک اسلامی انقلاب کے لئے طوفانوں سے مقابلہ اور شدائد اور قید وبند کی تکالیف برداشت کیں اونکا نام اونکا تذکرہ اور انکے کارنامے آج ہم بھلا بیٹھے ہیں۔ اون حضرات میں مخدومنا مجاہد اعظم حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کا جو مشن (پان اسلام ازم) اور جو پروگرام (ہندوستان کے مسلمانوں کی آزادی حاصل کرکے اس کی قوت سے عالم اسلام اور اسلامی حکومتوں کو آزاد کرا کے مسلمان حکومتوں کا متحدہ وفاق بنانا اور تمام بشریت کو اسلامی عدل وانصاف اور مساوات برادری وبرابری کے نظام کے تحت لاکر تمام دنیا میں حکومت الٰہیہ کو عام کرنا تھا) مگر ہماری بدبختی تھی کہ حضرت شیخ الہندؒ کی زندگی نے وفا نہ کی۔ اور حضرت اپنے تمام مشن کے پروگرام انجام تک نہ پہنچا سکے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد نہ اونکے جانشین حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ نے حضرت کے پروگرام کو اپنا کر آگے چلایا اور نہ حضرت شیخ کے کسی اور مخلص نے یہ جرأت کی کہ حضرت شیخ کے حقیقی پروگرام کو اگر عملی صورت میں ممکن تھا تو کم از کم تحریری صورت میں ہی حضرت کے پروگرام اور مشن کی حقیقت لوگوں تک پہونچا دیتے۔

آج میں اپنے آپ کو بہت خوش نصیب محسوس کر رہا ہوں کہ ایک عرصے کے بعد حضرت شیخؒ کے حالات اور بعض ان کے فرمائے ہوئے نکات آپ کے مؤقر رسالے میں پڑھ کر خوش

ہوں کہ اس پرفتن زمانے میں بھی ایسی ہستیاں موجود ہیں جو (گاہے گاہے باز خواں ایں قصّہ پارینہ را) کو قندِ مکرّر کے معنی خیز عنوان سے حضرت شیخ کی یاد اور اونکے کارناموں اور اخلاقی اور انسانی خصائص ایک بہت فصیح اور دردمندانہ طریقے سے یاد فرما رہے ہیں (این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند) کا مصداق بنے ہیں۔

اگرچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات اور حضرت کی آزادئ وطن اور احیائے مجدد دین اسلام کے سلسلہ میں اکثر حضرات نے بہت لکھا ہے۔ اپنی تحریروں میں حضرت کے مشن اور پروگراموں کا بھی ذکر کیا ہے مگر کسی سوانح نگار یا مضمون نگار نے مشن اور پروگراموں کے سلسلے میں حضرت شیخؒ کی کوئی ایسی صریح اور صاف الفاظ میں یہ نہیں لکھا کہ حضرت شیخ کا مشن کیا تھا اور اس کی کامیابی کے لئے کیا کیا پروگرام کس وقت اور کہاں کہاں بنے اور اونپر کتنا علمی اور عملی اقدام کے بعد کامیابی ہوئی یا ناکامی اور اس کے اسباب و علل کیا تھے۔
مولانا محمد میاں مرحوم دیوبندی نے ایک کتاب تحریک حضرت شیخ الہندؒ۔ کون کیا تھا لکھی۔ لیکن اس کتاب میں چونکہ انگریزوں کی سی آئی ڈی کی گمراہ کن رپورٹوں کو، جو لندن کی لائبریری میں محفوظ ہیں، اساس بنایا گیا ہے لہٰذا اس کے ذریعے شیخ الہندؒ کی شخصیت اپنے اصل رنگ میں سامنے نہیں آسکی۔

سرِ دست سالانہ خریداری

میں ماہنامہ "میثاق" لاہور کا سالانہ خریدار بننا چاہتا ہوں / چاہتی ہوں براہِ مہربانی مجھے ماہ ــــــ کا شمارہ ۔/۵۴ روپے کی وی پی کی شکل میں درج ذیل پتے پر ارسال کر دیجئے / میری طرف سے سالانہ زرِ تعاون کی رقم بذریعہ منی آرڈر / بنک ڈرافٹ ارسالِ خدمت ہے۔

نام ----------------------------

پتہ ----------------------------

نوٹ: رقم ماہنامہ "میثاق" ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور کے پتے پر ارسال کی جائے

بہار، رنگارنگ پھولوں، شاداب چہروں اور بیدار آنکھوں کا موسم
پھر بھی کچھ چہرے بے آب اور کچھ آنکھیں بے رونق کیوں؟

موسم بہار میں چہار سُو نئی کونپلیں اور تازہ پھول کھل اٹھتے ہیں اور روئے زمین پر زندگی انگڑائی لے کر جاگ اٹھتی ہے۔

اس موسم بیدار میں صحت بخش خون چہروں پر حُسن بن کر جھلک اٹھتا ہے اور آنکھوں میں ایک نئی چمک پیدا کر دیتا ہے۔

لیکن اگر خون میں فاسد مادے سرایت کر جائیں تو پھوڑے پھنسیوں، مہاسوں اور کئی دوسری جلدی بیماریوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جس سے چہرے بے آب اور آنکھیں بے شباب نظر آتی ہیں۔

بہار کے موسم میں صافی کا باقاعدہ استعمال فاسد مادوں کو خارج کر کے خون کو صاف اور صحت بخش رکھتا ہے اور یہی صاف خون چہروں پر حُسن بن کر جھلک اٹھتا ہے۔

جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ **صافی** سے خون صاف، چہرہ شاداب

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

اگر تمہارا ظاہر و باطن یکساں ہے تو تم قابلِ قدر انسان ہو

سرزمینِ مصر کی عظیم دینی تحریک

الاخوان المسلمون

مصر کی عظیم دینی تحریکِ اخوانُ المسلمون کا یہ تعارف ۔ اخوان کے رہنما جناب عبدالبدیع صقر کے اُس عربی خط کا ترجمہ ہے جو انہوں نے ایک پاکستانی سائل کے اِن دو سوالات کے جواب میں تحریر کیا ۔

۱ ۔ اخوان المسلمین کی دعوت کی امتیازی خصوصیات کیا ہیں ؟

۲ ۔ آج تک یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار کیوں نہیں ہوئی ؟

قارئین "میثاق" کے لئے اسے اُردو کے قالب میں ڈھالنے کا فریضہ قرآن اکیڈمی کے مدرّس مولانا ابوعبدالرحمٰن شبیر احمد نورانی نے ادا کیا ہے ۔

(ادارہ)

(آخری قسط)

اب آیئے کہ سوال کے دوسرے رُخ کا جائزہ لیں کہ وہ کونسی وجوہات تھیں جنکی وجہ سے "الاِخوانُ المسلمُون" کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکے ۔؟

اہل دانش و بصیرت کی ایک رائے تو یہ ہے کہ "الاخوان المسلمُون" اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام تو نہیں ہوئے، اس لئے کہ جن وسائل کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں اُنہیں بروئے کار لاکر جماعت تا حال لوگوں تک اپنی دعوت پہنچا رہی ہے اور لوگوں کی پُراُمید نگاہیں ان پر جمی ہوئی ہیں ۔

جماعت دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دینے کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کی رہنمائی کر رہی ہے اور حکام وقت کی خیر خواہی میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہی ۔

موجودالوقت صورت حال یہ ہے کہ :

مصر کے علاوہ دیگر کئی ممالک میں اس کو ماننے والے اور اس کی پکار پر لبیک

کہنے والے موجود ہیں البتہ کچھ تو برملا اور علی الاعلان اس کا ساتھ دے رہے ہیں اور کچھ اندرون خانہ اس کے معاون و ہمدرد ہیں۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ "تحریکوں" کی عمریں بہت لمبی ہوا کرتی ہیں، اس کا کسی فرد کی عمر سے تقابل کرنا صحیح نہیں ہے مزید براں آج تک ہمیں جس قدر مصائب و تکالیف اور پریشانیاں رکاوٹیں آئی ہیں وہ اس راہ کی عام چیزیں ہیں، دعوت حق لے کر اُٹھنے والوں اور جہاد فی سبیل اللہ کے راہیوں کو ایسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے (جو دعوت کی حقانیت کا ثبوت اور تربیتی پہلو سے اس راہ کی سنگھائے میل ہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی سُنّت ثابتہ ہے کہ جس کسی نے بھی، جہاں کہیں اس عَلَم کو تھاما تو اُسے ان مراحل سے گذار کر جانچا اور پرکھا گیا گویا یہ وہ قاعدہ و کلیہ ہے جس میں کوئی استثناء نہیں ہے)

فی الحال جماعت حالات کے نشیب و فراز کا مطالعہ و تجزیہ اور سوچ بچار اور انتظار کے دور انیے سے گذر رہی ہے بالآخر ازسرنو اُسے عزم جواں کے ساتھ سفرِ جاری پر رواں دواں ہونا ہے (ان شاء اللہ تعالیٰ)

ہاں! کہنے والوں کو یہ کہنے کا حق بھی پہنچتا ہے کہ نصف صدی گذر جانے کے باوجود بھی الاخوان المسلمون انقلابی جماعتوں کی طرح کوئی نتیجہ خیز کامیابی حاصل نہیں کرسکے جو ہر طرف دیکھی اور محسوس کی جاسکے اور اخوان کی دعوت اپنی متوقع منزل سے بہت پیچھے رہ گئی ہے۔

ہمیں اعتراف ہے کہ یہ اعتراض کسی حد تک صحیح ہے، دراصل جماعت کی پسپائی کی مختلف وجوہات ہیں، جو درج ذیل ہیں:

ا۔ جماعت کے اندرونی حالات

ب۔ ملک (مصر) کے مخصوص اندرونی حالات

ج۔ اور عالمی سیاسی حالات

ا۔ جماعت کے اندرونی حالات

جماعت کے اندرونی حالات نے مندرجہ ذیل شکلوں میں جماعت کے مقاصد کو نقصان پہنچایا:

ہمارے بعض اخوانی ساتھی سخت جذباتی واقع ہوئے، جو دعوت جہاد کا نام سنتے ہی مشتعل ہوگئے کیونکہ انہیں بالکل تجربہ نہیں تھا، پھر یہ کہ مرشد عام اوّل و ثانی نے

واضح الفاظ میں ہدایت جاری کی تھی کہ ابھی انتظار کیا جائے اور دقتِ نظر سے جائزہ لیا جائے مگر مرشد عام اور لیڈر شپ کی اجازت کے بغیر ہی انہوں نے کئی اقدامات کر ڈالے، مثلاً :

ایک مجسٹریٹ کو قتل کر دیا گیا چند پولیس چوکیاں لوٹ لیں، اس طرح کی باتوں سے جماعت کی شہرت و نیک نامی کو سخت دھچکا لگا۔ ظاہر ہے کہ ایسی حرکات کی وجہ سے (جماعت پر) دہشت پسندی اور تخریب کاری کا الزام لگایا گیا، حالانکہ ایسی وارداتیں جماعت کی اجازت سے ہوئیں نہ ہی جماعت کی مرضی و میلان کو دخل تھا۔ ایسے مشتعل ساتھیوں نے اپنے امراء کی مخالفت کی، تبھی تو جماعت کو ابتدائی دور ہی میں سخت نقصان برداشت کرنا پڑا بعض ساتھی دشمنوں کی چال سے دھوکا کھا گئے اور انہوں نے جماعتی پالیسی کے علی الرغم اُن سے حسن ظن کی بنیاد پر تعاون کیا جس کی وجہ سے آزمائش و مشکلات کا دائرہ وسیع تر ہو گیا اور یہ چیز عظیم خسارہ کا باعث بنی، جیسا کہ جمال عبدالناصر کے زمانے میں ہوا کہ اُس نے کئی افراد کو جماعت کو تباہ کرنے کی خاطر اپنا آلہ کار بنایا، انہیں اپنے قریب کرنے کے بعد بالآخر انتقام کا نشانہ بنایا۔

مصر کے حالات : مصر کے اندرونی حالات نے مندرجہ ذیل شکلوں میں ہمیں نقصان پہنچایا۔

مصری قوم طبعًا اپنی سرزمین کی مانند سلامتی و سہولت پسند واقع ہوئی ہے، اپنی آزاد مرضی کے ساتھ تو وہ جہاد کو لبیک نہیں کہتی اِلّا یہ کہ کوئی جابر حکمران انہیں مجبور کر دے۔ اکثریت کا حال تو یہ ہے کہ "کلمہ جہاد" سے ہی گھبراتی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

مصری سرزمین جزیرہ نما ہے، دو طرف سے سمندر میں گھری ہوئی ہے اور باقی دو طرف لق و دق صحرا ہے، نہ اُدھر سے کوئی داخل ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہاں سے کوئی بھاگ کر جا سکتا ہے اور وہاں کے باشندے بآسانی حاکم کے نرغے میں آجاتے ہیں اور اس سے خلاصی کی کوئی سبیل نہیں پاتے۔

پوری مصری قوم تقریباً غیر مسلح ہے سوائے ان افراد کے جو سرکاری اجازت اور رضامندی سے ہتھیاروں کے حامل ہیں اور حکومت کو قطعاً یہ برداشت نہیں کہ کوئی فرد مسلح ہو کر اُن کے لئے خطرے کا موجب بنے۔

تمام حکمران مصری قوم کا نام تو لیتے ہیں لیکن انہیں خوب معلوم ہے کہ یہ کر کچھ نہیں سکتے۔ بس دکھ سہتے ہیں اور صبر کرتے ہیں۔

داخلی مشکلات میں سے ایک بڑی مشکل مصر میں جامعہ ازہر کا وجود ہے، بلاشبہ جامعہ ازہر بہت بڑا دینی ادارہ ہے، قدیم زمانے سے مصر کی پہچان ہے اور اس نے اسلام اور مسلمانوں کی بڑی قابل قدر خدمت کی ہے۔ لیکن جب سے ازہر سرکاری تحویل میں آیا اور حکومت ہی اسکی مالی کفالت کرنے لگی تو یہ سرکاری "کل پرزہ" بن کر رہ گیا ہے، حالانکہ اس سے قبل جب یہی جامعہ ازہر آزاد تھا اور عوام الناس کے جذبے سے چلتا تھا تو اس نے انگریزی اور فرانسیسی استعمار کا ڈٹ مقابلہ کیا۔ جس کا جذبہ حریت و جہاد عدیم المثال تھا۔

مصری حکومت اور ازہر کی قیادت کی مخالفت کے باوجود بعض مصری علماء نے ہمارا ساتھ دیا باقی علماء اور طلباء نے یا تو دعوت دشمنی کا ثبوت دیا ہے یا پھر غیر ذمہ داری برتی۔ اب تو حال یہ ہے کہ عدالتی کارروائی سے ہی قبل علماء ازہر معمولی معمولی باتوں پر کفر کے فتوے صادر فرما دیتے ہیں اور یہ وہ ازہری علماء ہیں جنہوں نے کسی موقع پر بھی "اخوان" کا ساتھ نہیں دیا خواہ آزمائشوں کے پہاڑ ہی اخوانیوں پر ٹوٹ جائیں۔

ہم جس قدر ازہری علماء کے قریب ہوئے وہ اتنا ہی ہم سے دور ہوتے گئے بلکہ بسا اوقات تو انہوں نے ہمارے مخالفین و حاسدین کا کردار ادا کیا۔

اسی طرح وزارت داخلہ میں پورا ایک محکمہ ایسا بھی ہے جو خطباء مساجد کو ہدایات جاری کرتا رہتا ہے اور یہ محکمہ پورا کا پورا ازہری علماء پر مشتمل ہے، چند ایک کو چھوڑ کر اکثر خطباء مساجد وہی کچھ کہتے ہیں جو حکومت کی مرضی و منشا ہوتی ہے۔ بس اللہ ہی جس کو ہدایت دے تو وہ ہدایت یافتہ ہو سکتا ہے۔

داخلی مشکلات میں وزارت اطلاعات و نشریات کا بھی بہت بڑا دخل ہے، یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ روزنامہ الاہرام، الہلال، المقتطف اور السیاسۃ وغیرہ سب کے سب عیسائیوں کی ملکیت ہیں اور ان کی مکمل اجارہ داری قائم و دائم ہے، اسی طرح سینما، سٹیج ڈرامہ اور ذرائع ابلاغ انہی کے کنٹرول میں ہیں، حرام کی ساری تجارت مثلاً شراب، رقص اور سود وغیرہ پر یہی حضرات چھائے ہوئے ہیں،

فحاشی اور بے حیائی پھیلانے والے پرچے بھی ان کے ہی اشاروں پر عریانی و فحاشی کو فروغ دے رہیں، ظاہر ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اسلامی حکومت کے قیام سے بجائے خوشی کے رنج والم ہوگا۔

داخلی مشکلات میں سے پولیس اور فوج کے مخصوص حالات بھی ہیں، ان اداروں کو نہ صرف انگریز نے قائم کیا بلکہ خاص رنگ پر ان کی تربیت بھی کی، آزادی کے بعد آج تک بھی یہ ادارے اپنی اُسی روش پر برقرار ہیں، یہ محکمے مقامی و قومی اور اسلامی ثقافت و تہذیب سے بالکل کٹے ہوئے ہیں، عوام اور ان محکموں کے درمیان دوری اور نفرت کی دیواریں حائل ہو چکی ہیں۔ عام پولیس والا تو انتہائی سخت محنت اور ذلت آمیز زندگی بسر کرتا ہے جبکہ بڑے افسران عیاشی میں لت پت رہتے ہیں، عام سپاہی تو اس قدر مفلوک الحال اور حاجتمند ہوتا ہے کہ اس کیلئے معمولی سے مالی مفاد کی خاطر تقویٰ و اخلاق سے عاری ہوتے ہوئے کسی قیدی کو قتل کرنا کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہوتا۔ ایسے ہی افراد کی وجہ سے ہمیں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، حالانکہ یہ ہمارے ہم وطن ہیں لیکن معمولی معمولی باتوں پر انہوں نے ہمیں بھی سخت سزائیں دیں۔

اندرونی مشکلات میں عیسائیوں کا ہاتھ بھی ہے، اگرچہ مصر میں ان کی آبادی صرف ۶٪ ہے لیکن ان کی سیاست بازی اور سازشی کردار کی وجہ سے ہر حکومت ان کی خوشنودی کی خواہاں رہی، اور انتخابی اغراض و مقاصد کی خاطر ان کے نخرے اٹھاتی رہی۔ اس لئے کہ مصر کے قبطی عیسائیوں کے تعلقات بااثر خارجی ممالک سے بھی ہیں اور یہ ممالک اکثر اوقات مصر کو دھمکاتے و ڈراتے رہتے ہیں۔ یہ عیسائی کئی طریقوں سے اخوانی دعوت کے آڑے آئے، مثلاً مخالفانہ پروپیگنڈا، عوامی جذبات کو برانگیختہ کرنا، جاسوسی کرنا وغیرہ وغیرہ چونکہ وہ مختلف اہم سرکاری عہدوں پر متعین ہیں۔ بعض وزراء بھی عیسائی ہیں۔ بہرحال عدلیہ، فوج اور تجارت پیشہ لوگوں کا ہے کہ معقول تعداد میں عیسائی ان میں گھسے ہوئے ہیں، اور یہ اخوان کے سخت دشمن ہیں اور ان کی سرپرستی کے لئے عالمی سطح کے عیسائی مشنری ادارے اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ موجود ہیں۔

عالمی ماسونی تحریک : عالمی حالات کی وضاحت تو صرف لفظوں میں بیان کی جا سکتی ہے۔ سب سے اہم بات تو عالمی ماسونی تحریک ہے۔ معرکہ فلسطین میں جب یہودیوں کو ہم سے واسطہ پڑا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ اخوانی مجاہدین دوسرے فوجیوں سے بہت مختلف اور نمایاں ہیں۔ کیونکہ اخوانی زندگی اور فتح سے بھی زیادہ موت کو پسند کرتے تھے۔ ایسا بھی ہوا کہ صرف بیس ۲۰ آدمیوں کے مختصر سے گروپ نے ایک جگہ پوری یہودی آبادی کو شکست سے دوچار کیا، چند دن یہ علاقہ اخوانیوں کے قبضے میں رہتا تھا پھر مجبوراً مصری فوج کے سپرد کرنا پڑتا تھا اور بالآخر فوج کو حکم ملتا تھا کہ یہ علاقہ دوبارہ یہودیوں کو واپس کر دیا جائے۔ متعدد مواقع پر یہودیوں نے برملا کہا کہ جب تک اخوانی مشرق وسطیٰ میں موجود ہیں۔ اسرائیل کے لئے امن وسکون کی کوئی گنجائش نہیں، اسی لئے ماسونی تحریک کے نمائندے ہمیشہ مصری حکومت سے مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ وہ اپنی قوت اخوان کے خلاف استعمال کرے اور اسے ختم کر کے دم لے، معاہدے طے کرتے اور امداد لینے کے لئے یہ بات مصری حکومتی کی مجبوری بن جاتی تھی۔ خواہ حکومت یہ اقدام برضا و رغبت کرے یا مجبوری کی وجہ سے۔ انہوں نے یہی کردار انگریز حکومت کے زمانے میں ادا کیا، جمال عبدالناصر کے دور حکومت میں بھی یہی کچھ ہوتا رہا خواہ وہ امریکہ کا پٹھو بن کر رہا یا روس کا ایجنٹ بنا رہا اور آج تک یہی ہو رہا ہے۔ حکمران اس کا برملا اظہار کرتے رہے اور اسے چھپانے کی انہوں نے ضرورت محسوس نہیں کی۔

عالمی صلیبی تحریک : یہ حقیقت بھی کسی سے مخفی اور پوشیدہ نہیں کہ یورپی لشکر مشرق وسطیٰ کو فتح کرنے اور بیت المقدس پر قبضہ کرنے آئے تھے اور یہ صلیبی جنگیں دو سو سال تک جاری رہیں، بالآخر انہیں سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست ہوئی۔ اس فوجی شکست سے ان کا غصہ اور بھڑک اٹھا اور آج تک وہ مسلمانوں سے ہر میدان میں اور ہر آن برسرپیکار ہیں۔ وہ اس حقیقت کو قطعاً نہیں بھولے اور نہ کبھی فراموش کر سکیں گے کہ مسلمانوں کی اصل طاقت ان کی دینی اور روحانی قوت ہے اس لئے وہ ہر اسلامی جہاد کی حامل تحریک کے معاملے میں سخت حساس ہیں البتہ قوم پرست تحریک سے انہیں

کوئی خطرہ و سروکار نہیں ہوتا۔ وہ اسلامی جہاد کو بھول بھی کیسے جائیں کیونکہ مسلمانوں نے اسلامی جہاد کے ذریعے ہی ترکی، جنوبی یونان، ہسپانیہ، یوگوسلاویہ اور جنوبی فرانس فتح کر لیا تھا۔ تمام کافرانہ حکومتیں اسلامی جہاد کی حامل تحریکوں کی سخت دشمن ہیں اور خاص طور پر مشرق وسطیٰ سے اٹھنے والی تحریکوں کی۔

مصر میں ان کے مشنری سکول ہیں، ہم نوالہ وہم پیالہ دوست ہیں۔ سفارتی ادارے، کمپنیاں اور تجارتی ادارے ہیں جو ہمہ وقتی دعوت اسلامی کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے اور اسکی راہ میں روڑے اٹکانے کا سوچتے رہتے ہیں۔ بالعموم ان ملکوں کے سفراء کانفرنسیں کرتے ہیں اور سفارشات کے رنگ میں حکومت کو احکام جاری کرتے رہتے ہیں کہ "الاخوان المسلمون" کو کالعدم قرار دیا جائے اور ارکان جماعت کو سزائیں سنائی جائیں۔

میرے بھائی!

چند مشکلات تو میں نے آپ کے سامنے کھول کر رکھدی ہیں جن سے الاخوان المسلمون کی دعوت دوچار ہے۔ ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے صبر اور حوصلے کی ضرورت ہے اور ہر چیز سے پہلے اللہ کی فضل اور توفیق کی ضرورت ہے یا یہ کہ اللہ تعالےٰ کوئی مخلص حکمران اس قوم کو نصیب فرمائے جو فی الواقع مجاہد فی سبیل اللہ ہو۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ آج سے قبل اور موجودہ اخوانیوں کو ان حالات کا علم ہے اور یہ باتیں ان سے پوشیدہ نہ تھیں اور نہ ہی وہ ان حالات سے ڈرنے والے تھے بس یہ تو اللہ کی مشیت و مرضی ہے جب چاہے حالات کو سازگار بنا دے اور جب چاہے ناموافق۔ ہماری اُمیدوں کا واحد مرکز آج بھی اللہ ربُ العزت کی ذات ہے اور اللہ یقیناً اُس کی مدد کرتا ہے جو اُس کے دین کے غلبے کے لئے کمر کس لیتے ہیں۔

والحمد للہ رب العالمین

●●●●●●●●●●●●

ہوا سے باتیں کرنے والا
رائل فین
رائل فین استعمال کرنے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد
اس کی آزمودہ کوالٹی، کفایت اور دیرپائی سے مطمئن ہے۔
خوشنما، خوش وضع، پائیدار اور انتہائی ہوادار
رائل فین گرم موسم میں آسائش
کا سامان پیدا کرتا ہے۔
آپ رائل فین پر فخر کر سکتے ہیں۔
سیلنگ فین : 56"
قیمت : Rs 675/=
ROYAL
FANS
رفیق انجینئرنگ انڈسٹریز
(پرائیویٹ) لمیٹڈ
رفیق آباد، جی ٹی روڈ، گجرات
گجرات فون - 3004 - 3011
کراچی سیلز آفس : 721491
لاہور سیلز آفس : 286
راولپنڈی سیلز آفس : 74930

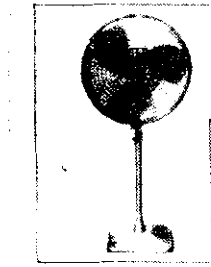

انقلاب کے اجزائے ترکیبی

محمد یعقوب

امیر محترم نے مکمل وضاحت کے ساتھ ایک اسلامی انقلاب کے لوازم و مراحل بیان فرما دیئے ہیں جو آڈیو ٹیپ اور وڈیو ٹیپس میں محفوظ ہونے کے علاوہ میثاق میں بھی مسلسل شائع ہو رہے ہیں۔ یہ لوازم و مراحل قطعی طور پہ انقلاب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو سامنے رکھ کر ترتیب دیئے گئے ہیں۔ بلکہ اگر یوں کہیں کہ "یہ انقلاب ہی سیرتِ مطہرہ کا مرکزی دھارا (MAIN STREAM) ہے" تو مبالغہ نہ ہوگا۔ آئیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی پہ ایک اکائی کی حیثیت سے نظر ڈالیں۔ آپؐ کی بعثت، تبلیغ، لوگوں کا انکار، سردارانِ قریش کی پر زور مخالفت، تکالیف و مصائب، ذہنی و جسمانی اذیتیں، شعب بنی ہاشم، سفرِ طائف، ہجرت، بدر، احد، احزاب، حنین، خیبر، آپؐ کا راتوں کو جاگنا، صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کی تعمیرِ سیرت، منافقین سے سلوک اور دیگر بے شمار پہلو ؎ "ہیں ہزاروں اس کے پہلو رنگ ہر پہلو کا اور" کے مصداق آپؐ کی شخصیت مبارکہ ایک ہمہ رنگ اور ہمہ پہلو شخصیت تھی لیکن ان تمام رنگوں کو اگر ذہن کے ڈسک (Disc) پر رکھ کر تیزی سے گھمایا جائے تو ایک ہی رنگ برآمد ہوگا ——— انقلاب اور الحمدللہ کہ وہ جزیرہ نمائے عرب میں آپؐ کی زندگی ہی میں برپا ہو کر رہا اور بعد میں اس کے فیوض و برکات دور دور کے براعظموں تک پھیل گئے۔ اور کیا یہ اسی انقلاب کا ثمر نہیں کہ عرب سے ہزاروں میل دور اور سینکڑوں سال دور ہم بھی کلمہ گو ہیں۔ اور اس مملکت خداداد میں چند لوگ تنظیم اسلامی کی صورت میں اسی انقلاب کی تجدید کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ!

لیکن میرا موضوع دوسرا ہے اور وہ ہے انقلاب کے "اجزائے ترکیبی"۔ احقر کے خیال میں انقلاب کے لیے ان اجزا کا ہونا ضروری ہے ورنہ انقلاب نہیں لایا جا سکتا۔ اور یہ کہ جہاں یہ اجزائے ترکیبی کسی حقیقی لیڈر کی قیادت میں جمع ہوں انقلاب اس کا لازمی نتیجہ ہوگا بالکل اسی طرح جس طرح آپ جہاں کہیں بھی دو حصے آکسیجن اور ایک حصہ ہائیڈروجن ملائیں گے۔ نتیجے میں آپ کو پانی حاصل ہوگا۔ وہ اجزائے ترکیبی یہ ہیں:۔

۱۔ نفرت
۲۔ طاقت
۳۔ یقین
۴۔ لیڈرشپ

لیڈرشپ کو محض بیان کی خاطر چوتھے نمبر پر رکھا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ لیڈرشپ کو اوّلیت حاصل ہے۔ اس کے بغیر یہ تمام اجزا بیکار محض ہیں کیونکہ ان تمام اجزا کو ایک رُخ دینا، ان کو باہم جمع کرنا اور ان کو ایک قوت میں بدل دینا تمام لیڈرشپ ہی کی ذمہ داری ہے اور اوپر کے تین اجزاء کو تفصیلاً بیان کرتے ہوئے ساتھ ساتھ لیڈرشپ کا ذکر بھی چلتا رہے گا لیکن بطور خاص انقلاب کے اس جزو پر بالکل آخر میں بات ہوگی۔ اب ان پر علیحدہ علیحدہ کچھ تفصیلی گفتگو!

۱۔ نفرت نفرت اگرچہ ایک منفی جذبہ ہے لیکن ہے بہت زوردار اور کارآمد۔ اور اگر اس کو گہرائی تک دیکھا جائے تو دراصل یہ تمہید ہوتی ہے محبّت کی۔ بالکل اسی طرح جس طرح لَا تمہید ہے اِلّا کی۔

انقلاب میں اس نفرت سے مراد ہے اس نظام سے نفرت جس میں کوئی معاشرہ سانس لے رہا ہے سانس کیا لے رہا ہے سسک رہا ہے۔ انقلاب ہمیشہ ایک غیر عدول معاشرہ میں آتا ہے۔ کسی ایسے معاشرہ میں جہاں انسانوں کو انسان سمجھا جا رہا ہو اور تمام چیزیں اپنی اپنی جگہ پر ہوں وہاں انقلاب کی نہ ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی لایا جا سکتا ہے۔ انقلاب ایک ایسے معاشرہ میں جڑ پکڑتا ہے جہاں ہر طرف ظلم و زیادتی نے ڈیرے ڈال رکھے ہوں ایک محدود اقلیت خدائی کا دعویٰ نہ کرنے کے باوجود عملاً اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا ناقوس بجا رہی ہو اور ایک عظیم اکثریت کے خیالات، ضرورتوں اور جذبات کے علی الرغم معاشرے کو اپنے مفادات اور اپنی خدائی کے استحکام کی جانب کھینچے لئے جاتی ہو۔ یہ حقیر اقلیت چونکہ معاشرہ کے تمام وسائل، ذرائع ابلاغ، نظامِ تعلیم، نظامِ قانون سازی اور نظامِ نفاذِ قانون پر قابض یا اثر انداز ہوتی ہے اس لئے معاشرہ کی عظیم اکثریت پر اس کی گرفت حیرت انگیز حد تک مضبوط ہوتی ہے۔ ذرائع ابلاغ اور نظامِ تعلیم پر قدرت رکھنے کی وجہ سے یہ معاشرہ میں خصوصاً نوجوان طبقہ میں ذہنی انتشار اور انارکی کو ابھارتی ہے تاکہ نئی نسل فکری انتشار میں مبتلا رہے اور اُن کے لئے کوئی خطرہ نہ بن سکے۔ یہی حقیر اقلیت اپنی خدائی کو مستحکم رکھنے کے لئے غیر ملکی آقاؤں سے بھی ساز باز رکھتی ہے اور ان کے ہاتھ ملکی عزّت و وقار کا سودا کرتی رہتی

ہے تاکہ بوقت ضرورت وہ ان کی خدائی کا تحفظ کر سکیں۔ بعض اوقات ان میں سر پھٹول تک نوبت پہنچتی ہے۔ لیکن یہ صرف بندر بانٹ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ عوام کی عظیم اکثریت کے خلاف یہ پوری طرح متحد اور چوکس ہوتی ہے۔ حکومت ان کی، سیاست ان کی، دولت ان کی، مرضی ان کی، خدائی ان کی غرض معاشرے کے تمام وسائل ان میں مرتکز ہوتے ہیں۔ اور اس کی حیثیت ریل گاڑی کے انجن کی سی ہوتی ہے کہ وہ اور صرف وہ طاقت کا منبع ہوتا ہے۔ اور ایک لمبی اور طویل گاڑی کو اپنے مفادات کی طرف کھینچے لئے جاتا ہے۔

عوام کی "عظیم اکثریت" ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کے مصداق محض تماشائی ہوتی ہے۔ اور طاقت کا منبع انہیں جس طرف کھینچے لئے جاتا ہے یہ طوعاً و کرہاً ادھر گھسٹتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے دلوں میں بعد ایک مدت کے اس نظام سے نفرت اور بیزاری پیدا ہونی شروع ہوتی ہے۔ انہیں احساس زیاں ہونے لگتا ہے۔ وہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ہم۔ اُدھر نہیں جانا چاہتے جدھر ہمیں گھسیٹا جا رہا ہے۔ وہ اپنے چاروں طرف مچی ہا ہا کار، افراتفری اور بدنظمی کو دیکھ دیکھ کر کڑھنے لگتے ہیں۔ ایک عجیب طرح کی نفرت اُن کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ ایک ہوک سی اٹھتی ہے کہ کاش اس نظام کے کارپردازوں کے لاشے وہ اپنے قدموں تلے روند سکیں۔ لیکن یہ "عظیم اکثریت" ہمیشہ غیر منظم ہوتی ہے۔ "منظم اقلیت" نے اپنے ہتھکنڈوں سے جو فکری انتشار ان میں پیدا کر رکھا ہوتا ہے وہ ان کو منتشر اور الگ الگ رکھتا ہے اور پھر "منظم اقلیت" آئے دن ایسے شگوفے کھڑے کرتی رہتی ہے جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ اب بہتری کی صورت پیدا ہوئی کہ ہوئی لیکن یہ سب اُن کی چالیں ہوتی ہیں ؎

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سُلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

لیکن بالآخر "محکوم اکثریت" کو مایوسی ہوتی ہے۔ ان کے دلوں میں نفرت کا بیج پھوٹ پڑنے کو بے قرار ہو جاتا ہے۔ یہیں سے ایک انقلاب کا اکھوا پھوٹتا ہے۔ اس مرحلہ پر اگر "عظیم اکثریت" کو صحیح قیادت اور لیڈر شپ میسّر آجائے تو سمجھو انقلاب کا ڈول ڈالا گیا۔ اس مرحلہ پر لیڈر شپ کا کام یہ ہے کہ اوّلاً اس نفرت کو اور بھڑکائے، ان شعلوں کو اور ہوا دے۔ اس نفرت کو اُن دلوں تک بھی پہنچائے جو بوجوہ اس سے آشنا نہیں۔ قائم قابل نفرت نظام کے مختلف بھیانک پہلو اُن کے سامنے لائے۔ "عظیم اکثریت" کے خلاف دُکھی چھپی

سازش کو طشت از بام کرے ۔ انہیں احساس دلائے کہ انہیں لوٹا جا رہا ہے ۔ انہیں ان کی مرضی کے خلاف ان تاریک راہوں پر گھسیٹا جا رہا ہے جو ذلت اور پستی کی طرف جاتی ہیں ۔ انہیں یہ بتائے کہ یہ "حقیر لیکن منظم اقلیت" تمہیں بحیثیت فرد اور بحیثیت قوم کس قدر پست کر رہی ہے ، ذلیل کر رہی ہے ۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

معراج النبی

علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام

تالیف

ڈاکٹر اسرار احمد

عمدہ آفسٹ پیپر، اعلیٰ طباعت، قیمت ۱۳ روپے

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن فون ۸۵۲۶۸۲۰

۴۰ صفحات پر مشتمل ایک مختصر کتابچہ جس میں مؤلف نے نہایت سادہ لیکن مؤثر انداز میں قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور عقل و فطرت سے استدلال کرتے ہوئے سیرت طیبہ کے اس عظیم واقعے کا اثبات اس طور سے کیا ہے کہ

واقعۂ معراج

سے متعلق قریباً تمام الجھنیں رفع ہو جاتی ہیں ۔

رفقار کار

لاہور میں حلقہ ہائے درسِ قرآن کا اجراء
اور — بیرونِ لاہور توسیعِ دعوت کے پروگرام

گذشتہ ماہ لاہور میں دس مقامات پر ہفتہ وار حلقہ ہائے درس قرآن حکیم کا اجرا ہوا تھا۔ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم تمام معاملات پر صورت حال بہت حوصلہ افزا ہے۔ رفقائے لاہور نے ان کی کامیابی کے لئے کافی محنت کی ہے۔ انفرادی سطح پر احباب اور عزیز و اقارب کو ان میں شرکت کی دعوت دی گئی، اشتہارات اور ہینڈ بلز کے ذریعہ لوگوں کو ادھر متوجہ کیا گیا۔ بعض مقامات پر رفقار گردپس کی شکل میں نکلے اور نواحی علاقہ میں گشت کر کے لوگوں کو درس قرآن میں شرکت کی ترغیب و تشویق دلائی۔ مدرسین نے بھی محنت کی اور الحمد للہ ان کوششوں کے نتیجہ میں قرآن مجید کے پیغام کو سمجھنے اور سمجھانے کی یہ محفلیں بارونق ہیں اور ان میں شرکار کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ کچھ عرصہ سے لاہور میں بعض وجوہات کی وجہ سے اسرہ جاتی اجتماعات کا نظام تقریباً معطل تھا۔ اس نظام کو بامقصد بنانے کی خاطر پچھلے کچھ عرصہ سے نئے سے نئے پروگرام ترتیب دیئے گئے تھے جن کے نتیجہ میں رفقار میں ایک نیا جذبہ اور انقلابی مشن پر کام کرنے کی تڑپ پیدا ہوئی تھی اب اللہ تعالےٰ کے فضل سے اسرہ جاتی نظام دوبارہ قائم کر دیا گیا ہے۔ نقیب حضرات نے اس کے استحکام کے لئے خصوصی محنت کی ہے۔ تنظیمِ اسلامی لاہور کے نائب امرار نے رفقار کے ذاتی مسائل اور معاملات سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ان کے گھروں اور کاروبار کی جگہوں پر جا کر نجی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ رفقائے لاہور کا توسیعِ دعوت اور ذاتی تربیت کے لئے بیرونِ ملک و اندرون لاہور مختلف مقامات پر نکلنے کا پروگرام نسبتاً ماند پڑ چکا ہے۔ اس کے لئے از سرِ نو کوشش و محنت درکار ہے۔

فیصل آباد میں رفقار کی دعوتی سرگرمیاں بفضلہٖ تعالےٰ اہتمام سے جاری رہی ہیں۔ اس دفعہ فیصل آباد کے رفقار کی ایک معقول تعداد نے اپنے امیر کی قیادت میں چنیوٹ کا دعوتی و تبلیغی سفر کیا۔ شہر کے پُرہجوم مقامات پر گشت کیا دعوتی لٹریچر تقسیم کیا اور مناسب

مقامات پر مختصر خطابات کے ذریعے لوگوں کو احکاماتِ الٰہی کی بجا آوری کے لئے متوجہ کیا۔ فیصل آباد کے نوجوان طالب علم رفقاء کی ہمت اور محنت قابل داد ہے۔ توفیق الٰہی سے جناب غلام اصغر صدیقی صاحب اور ان کے ساتھی اپنی تعلیمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ خدمت و دعوتِ دین کے لئے بھی قابل قدر کام کر رہے ہیں ان کی کوشش سے میثاق کا حلقہ وسیع ہوا ہے اور دوسری دعوتی کتب و لٹریچر بھی لوگوں تک پہنچی ہیں۔ انہوں نے کالج ہوسٹل میں ہفتہ وار درس قرآن کی نشست کا اہتمام بھی کیا ہوا ہے جس کے بعد افہام و تفہیم کے لئے سوال و جواب کا سلسلہ بھی ہوتا ہے۔ الحمد للہ ان مجالس کے شرکاء کی تعداد حوصلہ افزا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان نوجوانوں کی محنت کو قبول کرے۔

راولپنڈی اور اسلام آباد میں اگرچہ رفقائے تنظیم اسلامی کی ایک معقول تعداد موجود ہے۔ تاہم بعض وجوہات کی بنا پر وہاں کی تنظیمی کیفیت کچھ زیادہ اطمینان بخش نہیں رہی ہے۔ مختلف مقامات پر رہائش پذیر رفقاء کو اسرہ جات میں منقسم کر کے ان کے اجتماعات اور دیگر تنظیمی و دعوتی سرگرمیوں کو باقاعدہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن تاحال اس سے مطلوبہ نتائج نہیں نکل سکے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ موانعات کو دور کرے اور دلوں میں دعوت و اقامتِ دین کی اُمنگ اور اس کے لئے ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کرے۔ اسلام آباد کمیونٹی سنٹر میں امیر تنظیم اسلامی کا ماہوار درس قرآن ہوتا ہے۔ گذشتہ ماہ رفقائے راولپنڈی و اسلام آباد نے اس کے حوالہ سے کچھ محنت کی ہے اس سے قبل محدود پیمانہ پر رابطہ عوام کی ایک کوشش کی۔ اسلام آباد سیکرٹریٹ کے باہر کچھ کتبات اور بینرز لے کر خاموش مظاہرہ کیا۔ دعوتی اور تعارفی پمفلٹ اور ہینڈ بلز تقسیم کئے۔ کمیونٹی سنٹر کے اردگرد رہائشی علاقوں۔ مارکیٹوں اور بازاروں میں گشت کیا اور لوگوں کو درس قرآن میں شرکت کی دعوت دی۔ اس کے نتیجہ میں اس ماہانہ درس قرآن کی محفل میں غیر معمولی حاضری تھی۔

تنظیم اسلامی پشاور نوجوان رفقاء کی تنظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ لوگ متحرک رہے ہیں اور اکثر اوقات توسیع دعوت اور ذاتی تربیت کی غرض سے اندرون و بیرون شہر گروپس کی شکل میں نکلتے رہے ہیں۔ گذشتہ ماہ انہوں نے پشاور میں ایک سہ روزہ دعوتی و تذکیری مہم کا اہتمام کیا اس مقصد کے لئے پشاور اور دوسرے مقامات سے تیس رفقاء جمع ہوئے۔ میاں محمد نعیم صاحب قیم تنظیم اسلامی نے بھی اس میں شرکت کی۔ ایک روز اس دعوتی مہم میں بھرپور کام ہوا۔ مختلف بازاروں سڑکوں پر گشت کیے

ساتھ تعارفی لٹریچر۔ ہینڈ بلز تقسیم ہوئے اور مناسب مقامات پر مختصر خطابات کے ذریعہ دعوتِ توبہ و اصلاحِ اعمال کا اہتمام کیا گیا۔ لیکن دوسرے روز بعض تخریب پسند عناصر کی سرگرمیوں کی وجہ شہر میں امن وامان کی فضا مکدر ہو گئی۔ ایک مقام پر بم کا دھماکہ ہوا اور متحارب سیاسی گروہ بازاروں میں نکل آئے۔ اندریں حالات یہی مناسب معلوم ہوا کہ اس پروگرام کو فی الحال ملتوی کر دیا جائے۔

تنظیم اسلامی متحدہ شریعت محاذ میں شامل ہے اور اس میں ضمن میں بھی رفقائے تنظیم اسلامی مختلف مقامات پر اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں۔ قیم تنظیم اسلامی پاکستان جناب میاں محمد نعیم صاحب کو بھی متحدہ شریعت محاذ کی مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ کے رکن اور متحدہ شریعت محاذ کے سیکرٹری کی حیثیت سے اپنے اوقات کا کافی حصہ ان مقاصد کے لئے صرف کرنا پڑا ہے تاہم لاہور، راولپنڈی، پشاور، فیصل آباد اور دیگر مقامات پر متحدہ شریعت محاذ کے اجلاس میں شرکت کے ساتھ آپنے ان مقامات پر بھی رفقائے تنظیم اسلامی سے رابطہ اور ان کی تنظیمی و دعوتی سرگرمیوں میں شرکت و رہنمائی کا سلسلہ جاری رکھا۔ علاوہ ازیں آپنے گذشتہ ماہ کے دوران ہی گجرات۔ وزیر آباد۔ سیالکوٹ اور اس کے نواحی علاقہ میں رفقا واحباب سے ملاقات اور تنظیمی و دعوتی معاملات میں ہر موقع پر مشورہ و ہدایات کی خاطر ایک سہ روزہ ہنگامی پروگرام بنایا۔ موصوف ۱۲ فروری علی الصبح لاہور سے روانہ ہوئے۔ مُریدکے میں بعض رفقاء کے گھروں پر ملاقات کی کوشش کی لیکن رابطہ نہ ہو سکا۔ وزیر آباد، جناب شمس الحق اعوان صاحب کی اقامت گاہ پر وزیر آباد کے کچھ رفقاء جمع تھے۔ ان سے مشورہ کے بعد آئندہ روز کے لئے نواحی قصبہ سوہدرہ میں دعوتی مہم کی تفصیلات طے کی گئیں۔ اس کے بعد چند میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں کانیانوالہ گئے۔ یہاں پر تنظیم اسلامی کے نوجوان رفقاء کی ایک معقول تعداد ہے۔ رفقاء واحباب جمع تھے۔ ان سے تنظیم اسلامی کی دعوت کے موضوع پر مفید گفتگو رہی۔ اسی روز بعد نماز عصر قریبی قصبہ منترانوالی میں دعوتی و تذکیری مہم کا پروگرام تھا۔ اس قصبہ میں تنظیم اسلامی کے ۱۳ رفقاء باہم ایک اسرہ میں منسلک ہیں۔ دعوتی مہم کے لئے ٹی بورڈ۔ بینرز اور تعارفی لٹریچر مہیا تھا۔ رفقاء نے قصبہ کی گلیوں اور بازاروں میں گشت کیا۔ چھ مقامات پر جناب شمس الحق صاحب نے لوگوں سے مختصر خطاب کرتے ہوئے انہیں اصلاح اعمال کی طرف متوجہ کیا بعد نماز مغرب میاں محمد نعیم صاحب کے خطاب عام کا پروگرام تھا جس کے بعد افہام و تفہیم کے لئے سوال

وجواب کی ایک مفید نشست ہوئی ۔ ۱۳ رفروری صبح گجرات کے رفقائے تنظیم کا اجتماع خصوصی ہوا ۔ یہاں پر تنظیم اسلامی کے ۲۹ رفقار ہیں ۔ جن کے روح رواں جناب عبدالرحمن فوت صاحب ہیں جنہوں نے اپنی ہمہ وقتی خدمات دعوت و اقامت دین کے لئے وقف کی ہوئی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے ان کی محنت و کوشش سے گجرات اور اس کے نواحی قصبات اضلاع میں دعوت و تذکیر کا ایک مفید سلسلہ قائم ہوا ہے گذشتہ ماہ کے دوران ہی انہوں نے گجرات اور آزاد کشمیر کے رفقار کو ساتھ لے کر بھمبر میں ایک دعوتی مہم کا اہتمام کیا تھا ۔ گجرات میں تنظیم اسلامی کا باقاعدہ دفتر قائم ہو چکا ہے اور یہیں پر جناب قیم تنظیم اسلامی نے رفقار سے ملاقات کی اور مشورہ کے بعد آئندہ کے لئے کام کی تفصیلات طے فرمائیں اسی روز دوپہر کو جلالپور جٹاں میں رفقار سے ملاقات ہوئی ۔ یہاں پر حال ہی میں تنظیم اسلامی کا ایک حلقہ قائم ہوا ہے جناب امیر تنظیم اسلامی ۳۱ جنوری کو یہاں پر ایک دعوت ولیمہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے ۔ اہالیان شہر نے خطاب عام کا اہتمام کر دیا ۔ نواحی علاقہ کے رفقائے تنظیم بھی جمع تھے انہوں نے جناب شمس الحق اعوان صاحب کی قیادت میں اس قصبہ کے معروف بازاروں میں دعوتی و تذکیری مہم سر انجام دی ۔ اللہ تعالےٰ نے چند احباب کو تنظیم اسلامی کی دعوت جہاد پر لبیک کہنے کی توفیق عنایت فرمائی ۔ جناب قیم تنظیم نے ۱۳ رفروری کو انہی رفقار سے ملاقات اور مشورہ کے بعد وہاں پر تنظیم اسلامی کا ایک باقاعدہ اسرہ قائم کیا اور دفتر کا بھی افتتاح فرمایا ۔ اسی روز بعد نماز عصر سوہدرہ کے قصبہ میں دعوتی و تذکیری مہم کا پروگرام ہوا ، اسی قصبہ میں جناب شمس الحق اعوان صاحب کا آبائی گھر ہے اور قریبی اعزہ و اقارب یہیں آباد ہیں ۔ ایک معروف مقتدر زمیندار گھرانے کا یہ چشم و چراغ توفیق خداوندی سے دین کے کام میں لگ گیا ۔ اللہ تعالےٰ نے محنت کو قبول کیا اور قلیل عرصہ میں وزیر آباد گجرات اور نواحی علاقہ کے بے شمار بندگان خدا کے دل خدمت و دعوت دین کے جذبہ سے معمور ہو گئے اللھم زد فزد پورے قصبہ کے بازاروں اور معروف مقامات پر دعوتی کام ہوا ۔ جناب شمس الحق صاحب نے دس مقامات پر مختصر خطاب کیا ۔ لوگوں کو توبہ و انابت الی اللہ کی تلقین کی ۔ اللہ تعالےٰ سے بغاوت اور نافرمانی کے انجام سے آگاہ کیا بعد میں نماز مغرب جناب قیم تنظیم کا خطاب عام اور افہام و تفہیم کے لئے سوال و

جواب کی نشست کا اہتمام ہوا۔ اس میں نوجوان طلباء اور دوسرے احباب نے بہت دلچسپی کا اظہار کیا۔ ملکی سطح پر انتخابی طریق کار یا انقلابی جدوجہد سے اصلاح احوال کی کوششوں کا بھرپور موازنہ ہوا۔ ۱۴ فروری کی صبح جناب قیم تنظیم نے سیالکوٹ میں رفقاء سے ملاقات کی۔ باہم مشورہ سے سیالکوٹ کے نئے نقیب جناب شمس العارفین صاحب کا تقرر ہوا۔ اور آئندہ کے لئے نظم اجتماعات اور تربیتی دعوتی پروگراموں کا نقشہ ترتیب دیا گیا۔

قبل از دوپہر ایک مختصر دعوتی و تذکیری مہم بھی ہوئی جس میں ۱۵ رفقاء نے شرکت کی جس کے اختتام پر ایک سوال و جواب کی مفید نشست کا اہتمام ہوا۔ بعد از دوپہر سیالکوٹ سے واپسی پر اسرہ نندی پور کے رفقاء اور اور نقیب اسرہ جناب حاجی صالح محمد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ تنظیمی و دعوتی امور کا جائزہ لینے کے بعد ضروری مشورہ اور ہدایات دی گئیں۔ بعد از نماز عشا میاں محمد یعقوب صاحب نقیب اسرہ گوجرانوالہ سے ملاقات اور مشورہ ہوا۔

وہاڑی میں دعوتی و تذکیری مہم

اگرچہ وہاڑی اور اس کے نواحی مقامات پر چند رفقائے تنظیم اسلامی موجود ہیں۔ تاہم بعض موانع کی وجہ سے تاحال وہاں تنظیم اسلامی کی توسیع دعوت کے سلسلہ میں پیش رفت بہت کم ہوئی ہے۔ رفقاء معمول کے اجتماعات کے علاوہ تنظیم اسلامی ملتان کے زیر اہتمام دعوتی مہموں میں شریک ہوتے رہے ہیں۔ گذشتہ ماہ ملتان اور شجاع آباد کے دعوتی پروگراموں میں بھی یہاں کے رفقاء شریک ہوئے۔ اسی وقت یہ طے ہوا تھا کہ وہاڑی میں بھی ایک دعوتی پروگرام دیا جائے جس میں ملتان، شجاع آباد اور بورے والا کے رفقاء بھی شریک ہوں۔ لوگوں کو مختلف طریقوں سے متوجہ کیا جائے کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بغاوت کی روش کو ترک کر دیا جائے اور زندگی کے جملہ معاملات میں اس کے احکام کی پابندی کی جائے۔ یہ پروگرام الحمدللہ ۵، ۶ مارچ کو ہوا۔ جناب قیم تنظیم اسلامی کے حکم کے مطابق لاہور سے جناب حافظ محمد رفیق صاحب اور راقم الحروف مجوزہ دعوتی مہم میں شرکت کے لئے ایک روز قبل ہی مع ضروری سامان وہاڑی پہنچ گئے

تھے ۔اس دعوتی مہم کے لئے ایک دو ورقہ بڑی عجلت میں تیار کیا گیا تھا ۔اس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ہماری شامت اعمال کی وجہ سے ہم پر ایسے طبقات مسلط ہو گئے ہیں" جو عوام کا خون چوس رہے ہیں ۔ لوگ تڑپ رہے ہیں لیکن ان پیران تسمہ پا سے نجات نظر نہیں آتی ۔ انتخابی طریق ان سے نجات کی راہ پیدا کرنے میں ناکام ثابت ہوا ہے" لہٰذا واحد علاج یہی ہے کہ نفاذِ اسلام کے لئے انقلابی جدوجہد کی جائے جس کی بنیادی ضرورت انفرادی اور اجتماعی سطح پر توبہ اور اصلاحِ اعمال ہے ۔ باہم مشورہ کے بعد طے کیا گیا کہ ڈگری کالج وہاڑی کے باہر کپڑے کے بینرز اور دعوتی لٹریچر کی تقسیم کے ذریعہ دعوتی مہم کا آغاز کیا جائے ۔ چنانچہ ہم نے ڈگری کالج کے مین گیٹ پر دعوتی مہم کا آغاز کیا کلاسوں سے فارغ طلبا نے ہماری طرف توجہ کی اور معلومات کے حصول کی خاطر ہمارے پاس آگئے ۔ ہم تقسیم لٹریچر کے ساتھ ساتھ زبانی کلامی بھی اپنی دعوت کا تعارف کراتے رہے ۔ ساڑھے نو بجے سے گیارہ بجے تک اس پروگرام کو چلانے کے بعد ہم کلب روڈ سے بینرز کرتے ہوئے واپس دفتر آئے باقاعدہ مہم کے آغاز کے لئے ہمیں رفقائے تنظیم اسلامی ملتان کا کافی انتظار کرنا پڑا ۔ کیونکہ ٹی بورڈ اور میگافون ان کی تحویل میں تھے ۔ بہرحال سب لوگ قبل از نماز ظہر مہم کے آغاز کی جگہ پر پہنچ گئے نماز ظہر کے بعد ہم نے ٹی بورڈز پر کتبات لگائے اور اس عاجز و ناکارہ راقم الحروف کی قیادت میں ۳۵ رفقار کا یہ قافلہ اپنی باقاعدہ دعوتی مہم کے لئے روانہ ہوا ۔ رفقار کو مناسب ہدایات دی گئیں استحضار اللہ فی القلب کی تلقین کی ۔ مقررین حضرات کا تعین کیا اور اللہ کے نام سے جنرل بس سٹینڈ سے مہم کا آغاز کیا ۔ جونہی رفقار انتہائی نظم و ضبط کے ساتھ چلنا شروع ہوئے تو ناظرین سامعین کی ایک خاصی بڑی تعداد متوجہ ہوئی ۔ ایک مناسب مقام پر چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب نے تقریر کی ۔ موصوف نے بھرپور انداز میں ملت اسلامیہ پاکستان کی زبوں حالی اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے واحد حل انقلاب اسلامی کا تذکرہ کیا اور اس کے لئے اجتماعی جدوجہد کی غرض سے تنظیم اسلامی کے ساتھ بھرپور عملی تعاون پر زور دیا ۔ تمام روٹ پر کم و بیش پندرہ کارنر میٹنگز کی گئیں اور لوگوں کی خاصی بڑی تعداد نے ہمارے مقررین کی بات کو پوری توجہ اور انہماک سے سنا اور ہماری دعوت کے کتبات کو پڑھا اور خوشی خوشی لٹریچر بھی لیا ۔ چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب کے علاوہ جناب حافظ محمد رفیق صاحب ڈاکٹر محمد طاہر صاحب نے بھی بھرپور جامع اور مدلل خطابات کئے ۔ الحمدللہ کہ بغیر کسی قابل ذکر مزاحمت کے ہماری

یہ دعوتی مہم قبل   شہر کی معروف شاہراہوں اور پر ہجوم مقامات سے گذرتی ہوئی قبل از نماز مغرب اختتام پذیر ہوئی ۔ اس کے بعد یہ قافلہ وہاڑی کے ایک مضافین گاؤں کی جانب رواں ہوا جہاں پر نماز عشاء کے بعد جناب چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب کے خطاب عام کا اہتمام تھا۔ مسجد کا ہال سامعین سے بھرا ہوا تھا، مقرر موصوف نے سورۃ الحج کے آخری رکوع کی روشنی میں فرائض دین کا جامع تصور پیش کیا اور نہایت مدلل اور سلیس زبان میں کلمۂ توحید کی تشریح فرمائی ۔ تقریباً رات دس بجے وہاڑی واپسی ہوئی ۔ نماز فجر کے بعد بعض احباب سے ذاتی ملاقات اور افہام وتفہیم کا پروگرام تھا چنانچہ ہمارے بعض سینئر رفقاء ڈاکٹر محمد طاہر خاکوانی حافظ محمد رفیق اور جناب عبدالماجد خاکوانی صاحبان نے یہ فریضہ سرانجام دیا نو بجے جنرل بس سٹینڈ کی جامع مسجد میں جناب چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب کے خطاب   کا پروگرام ہوا ۔ جناب چوہدری صاحب نے بڑی مدلل انداز میں تشبیہات کی مدد سے سامعین پر اسلام اور پاکستان کے لازم ملزوم ہونے کو واضح فرمایا اور ہماری دینی و قومی مذہبی کے ایک نقطہ پر جمع ہو جانے کو ہماری خوش قسمتی گردانا اور اس ضمن میں اسکی ادائیگی کے لئے فوراً کمربستہ ہو کر اجتماعی جدوجہد کرنے کی ترغیب وتشویق دلائی ۔ اور تنظیم اسلامی کی پکار کا بھی تذکرہ کیا ۔ بعد ازاں اجتماعات جمعہ کے وقت منتخب مساجد کے باہر بُورڈ اور دعوتی لٹریچر کے ساتھ کام کرنے کا پروگرام بنایا گیا چنانچہ جامع مسجد ضلع کونسل پرانا لاری اڈہ، لکڑی منڈی کی مساجد کے ساتھ ساتھ وہاڑی کی مرکزی جامع مسجد باغ والی کے باہر بھرپور دعوتی مہم نہایت کامیابی کے ساتھ چلائی گئی ۔ نماز جمعہ کے بعد اس دعوتی مہم کا اختتام ہوا اور رفقاء اپنے اپنے گھروں کو واپس گئے اس دعوتی وتذکیری مہم میں شریک ملتان، شجاع آباد اور وہاڑی کے رفقاء کی محنت قابل تحسین ہے بالخصوص شجاع کے رفقاء کا جذبہ اہتمام اور ایثار وقربانی ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے ۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اپنے خاص فضل وکرم سے رفقاء کا انفاق جان ومال قبول فرماتے ہوئے اس دعوتی مہم کی برکات سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے ۔   (از قلم : ڈاکٹر منظور حسین)

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا

"اور پورا کرنے والے اپنے عہد کے جب باہم عہد کرلیں" (البقرہ: ۱۷۷)

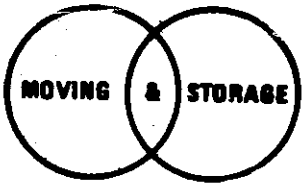

MOVING & STORAGE

VANPAC (PAK) INC.

VANPAC

P.O. BOX 6028
8-A, Commercial Building
Abid Majeed Road, Lahore Cantt. PAKISTAN
CABLES: "VANCARE"
PHONES OFF. : 372532 - 373446
RES. : 372618

Seiko
BRAKE + CLUTCH LINING

میسی فرگوسن ٹریکٹر کے ہر ماڈل پرزہ جات کے ہول سیل ڈیلر

S
SEIKO

سٹاکسٹ: طارق آٹوز ۱۳۔ نظام آٹو مارکیٹ بادامی باغ لاہور۔ فون: ۲۰۰۹۶۰

افکارِ معاصرین

تعارف وتبصرۂ کتب

* نام کتاب : استحکام پاکستان
نام مصنف : ڈاکٹر اسرار احمد
ملنے کا پتہ : مرکزی انجمن خدام القرآن
۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن ۔ لاہور

صفحات ۱۷۶ قیمت مجلد : ۳۰ روپے

ڈاکٹر اسرار احمد، جنہوں نے جماعت نہم دہم کے ایک طالب علم کی حیثیت سے حصار (مشرقی پنجاب) کے دور افتادہ اور پسماندہ صحرائی ضلع میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کو منظم کیا تھا، پورے جوش و خروش سے تحریکِ پاکستان کو مسلم عوام میں مقبول بنانے کے لیے سرگرم حصہ لیا تھا، اُن کی محبت پاکستان کے ساتھ عین فطری ہے قمری تقویم کے حساب سے ۲۷ رمضان ۱۴۰۵ھ کو پاکستانی قوم کے چالیسویں سال میں قدم رکھنے پر انہوں نے اسی فطری لگاؤ اور قلبی جذبے کے تحت تحریکِ پاکستان کے اسباب و عوامل، قیامِ پاکستان کے بعد رونما ہونے والے حالات اور مستقبل میں پیش آنے والے خطرات اور روشن امکانات کا نہایت مدلل، فکر انگیز اور ذہنوں کے لیے سوچ کی راہیں کھولنے والا تجزیہ کیا ہے۔ اُن کے تجزیے کی تمام تر بنیاد قرآن و حدیثِ صحیحہ کی حکیمانہ تعلیمات، تاریخی حقائق اور مصورِ پاکستان علامہ اقبال کے ایمان افروز ملی اشعار پر قائم ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس فاضلانہ تجزیے بعنوان استحکام پاکستان میں اُن تمام اہم اور مؤثر عوامل و محرکات کا ذکر کیا ہے جو موجودہ دور میں کسی ملک کی ترقی و تعمیر اور بقا و استحکام کا باعث بن سکتے ہیں۔ مثلاً تاریخی پس منظر، فطری جغرافیائی حدود، نسلی قوم پرستی اور لسانی عصبیت وغیرہ مگر پاکستان کی تشکیل کے عوامل یکسر مختلف ہیں۔ اس کے بقا و استحکام کا ضامن صرف اور صرف ایک ہی عامل ہے اور وہ ہے اسلام کا قوت آفریں نظام۔ یہی اس ملک کے باسیوں کو متحد و متفق بھی رکھ سکتا ہے اور ان میں اپنے ملک کی فلاح و ترقی اور تعمیر و تقویت کے لیے بے مثل قوتِ عمل اور بے پناہ جذبۂ ایثار و اخلاص بھی پیدا کر سکتا ہے۔

پاکستان جن ہولناک داخلی مسائل سے دوچار ہے اور جس انداز سے اس کے خلاف بیرونی سازشوں کے مضبوط جال تیار کیے جا رہے ہیں، اُن کے پیشِ نظر اجتماعات اور قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ کا ماہر بآسانی یہ پیش گوئی کر سکتا ہے کہ پاکستان کی وحدت اور اس کا وجود سخت خطرے میں ہے۔ مگر ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس کتاب میں اسلامی تاریخ کے حوالے سے پاکستان کے روشن مستقبل کی بات کی ہے کہ وہ غلبۂ اسلام کی عالمگیر اور انقلاب آفریں تحریک کا مرکز بن کر رہے گا۔ تجدیدِ ملت و احیائے دین کا جو شجرۂ طیبہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے گیارہویں صدی ہجری میں لگایا تھا، جس کی آبیاری بارہویں صدی میں امام الہند شاہ محدث دہلوی نے، تیرہویں صدی میں مجاہدِ اعظم حضرت سید احمد شہید بریلوی اور چودہویں صدی میں شاعرِ مشرق حضرت علامہ اقبال اور مفکرِ اسلام سید ابوالاعلیٰ مودودی اور دیگر طالبانِ حق نے کی وہ خطۂ پاکستان میں ضرور بار آور ہو گا۔ پوری ملتِ اسلامیہ بلکہ پوری نوعِ انسانی اس کے سہانے اور ٹھنڈے سائے اور اس کے فرحت بخش اور سکون پرور ثمرات سے مستفید ہو گی۔

کتاب شروع سے آخر تک متین اور سنجیدہ مباحث سے پُر ہے لیکن علامہ اقبالؒ کے موزوں اشعار کے استعمال سے اس متانت و سنجیدگی میں سوز و گداز کی ایک ایسی کیفیت بھی شامل ہو گئی ہے جو دلوں کی سختی دور کرنے کے لیے نہایت مفید ہے۔

کتاب کی کتابت و طباعت کا معیار نہایت بلند ہے۔ اس کی ظاہری حالت باطنی کیفیت سے ہم آہنگ ہے۔

(حافظ افروغ حسن)

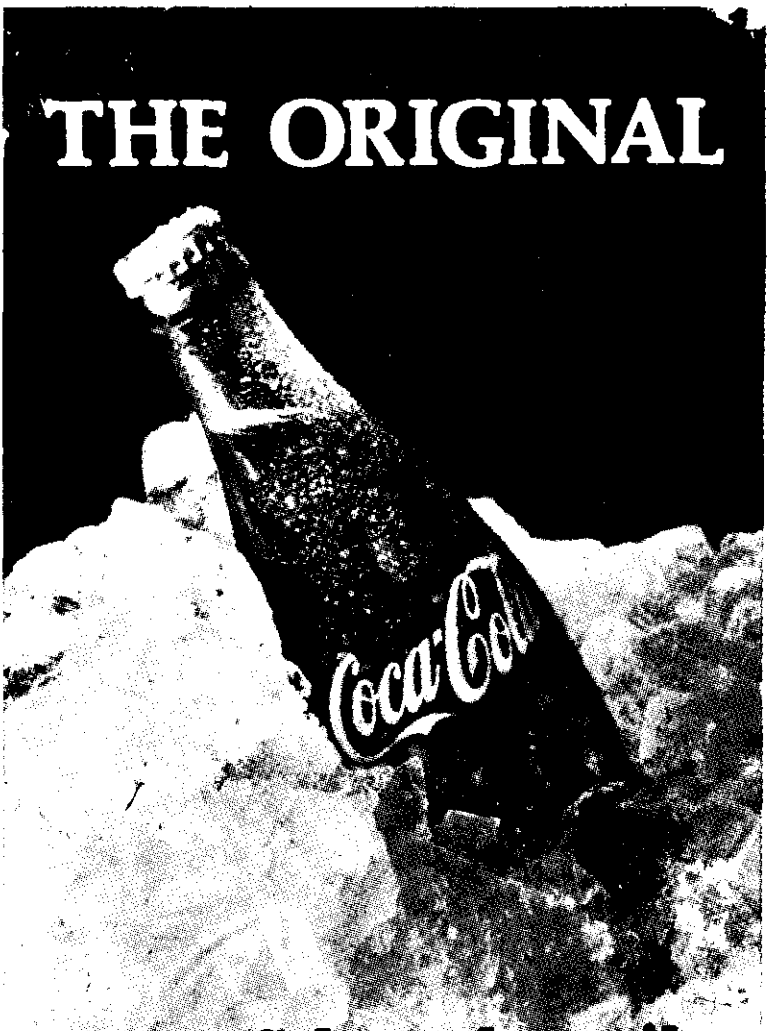

Have a Coke and a smile.

"COCA-COLA" AND "COKE ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIFY THE SAME PRODUCT OF THE COCA-COLA COMPANY.

paragon

مراسلہ نگار حضرات کی آراء سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

افکار و آراء

کیا عورت اسلامی مملکت کی سربراہ ہو سکتی ہے؟

مس بے نظیر بھٹو کا مطالبہ ہے کہ جلد انتخابات کے ذریعہ اقتدار ان کو سونپ دیا جائے۔ اس ضمن میں اہم ترین سوال یہ ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں عورت سربراہ بن بھی سکتی ہے یا نہیں! تنظیم اسلامی پاکستان کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ مارشل لاء کی طرح بامر مجبوری عورت کی سربراہی کو برداشت کیا جا سکتا ہے۔ ادھر ایم آر ڈی کے رہنما ولی خان نے کہا ہے کہ پٹھان ایک غیور قوم ہے اور وہ ایک عورت کی سربراہی قبول نہیں کر سکتے۔ ہم سب مسلمان ہیں اور ہمیں اپنے ہر مسئلے کو شریعت کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

قرآن حکیم نے نہایت ہی بلیغ انداز میں اس مسئلے کا حل پیش کر دیا ہے۔ سورۃ النساء ۳۴ میں ارشاد ربانی ہے "اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ" مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ یعنی حاکم محافظ، اخلاق و معاملات کے نگران ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ قرآن کی رو سے ایک عورت اپنے خاندان کی سربراہ یا حاکم نہیں بن سکتی تو وہ کسی مملکت کی حاکم یا سربراہ کیسے بن سکتی ہے؟ اسی آیت میں "صالح بیویوں" کی یہ خصوصیت بتائی کہ وہ "شوہروں کی اطاعت گزار ہوتی ہیں"۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "مرد اپنے بیوی بچوں پر حکمران ہے اور اپنی رعیت میں اپنے عمل پر وہ خدا کے سامنے جواب دہ ہے"۔ (بخاری) قوا انفسکم و اھلیکم نارًا " (کتاب النکاح) حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا "عورتوں کے ساتھ انتہائی خیر و خوبی کی روش اختیار کرو کیونکہ وہ تمہارے پاس اسیر (زیر کنٹرول) ہیں" (ترمذی ابواب الرضاع باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجہا۔ ابن ماجہ ابواب النکاح باب حق المرأۃ علی الزوج)

نماز تنظیم امت کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔ اسی لئے نماز کی امامت کو امامت صغریٰ کہا گیا ہے مگر شریعت نے یہاں بھی عورت کو مردوں کی نماز کی امامت کا اہل قرار نہیں دیا۔ عورت عورتوں کی نماز نفل تراویح کی امامت کر سکتی ہے۔ (المحلی جلد ۳ صـ ۱۲۷) السنن الکبریٰ جلد ۳ صـ ۱۲۸)

نبی اکرمؐ کی ایک مشہور حدیث ہے۔ مرد ہلاک ہوئے جب وہ عورت کی اطاعت کرنے لگے (مستدرک حاکم جلد ۴ صـ ۲۹۱) آپؐ کا ایک دوسرا فرمان اور بھی زیادہ واضح ہے "وہ قو

کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنی زمامِ اقتدار عورت کے حوالے کر دی ہو۔" (بخاری، کتاب المغازی باب کتاب النبی الیٰ کسریٰ وقیصر، ترمذی ابواب الفتن باب (بغیر عنوان) نسائی کتاب آداب القضاۃ) اس حدیث کی شرح میں امام شوکانی فرماتے ہیں "اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ عورت سرپرستی اور حکومت کی اہل نہیں ہے اور کسی قوم کے لئے اس کو سرپرست مقرر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ عدم فلاح اور خسران کو لازم کرنے والے فعل سے پرہیز کرنا فروری ہے۔" (نیل الاوطار جلد ۹ صہ ۱۶۸) علامہ ابن حزم لکھتے ہیں " اہل قبلہ (مسلمانوں) کے تمام فرقوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو عورت کی امامت کو جائز سمجھتا ہو۔" (الفصل فی الملل والاہواء والنحل جلد ۴ صہ ۱۱۰)۔

بعض لوگوں کے اس خیال کے بارے میں کہ عورت کو خلیفہ بنائے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ دوسرے قابل افراد کے تعاون سے امورِ سلطنت انجام دے سکتی ہے "عورت اسلامی معاشرے میں" کے مصنف مولانا سید جلال الدین انصر عمری، صہ ۲۵۴ پر لکھتے ہیں: "لیکن یہ خواہ مخواہ کی توجیہہ ہے کیونکہ کوئی شخص کسی ذمہ داری کا اہل اس وقت ہوتا ہے جب کہ خود اس کے اندر اس ذمہ داری کے اٹھانے کی اہلیت ہو، یہ کوئی خاندانی جاگیر نہیں ہے کہ بغیر کسی استحقاق کے از خود حاصل ہو جائے۔ اسی لئے علماء نے اس رائے کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا ہے" علامہ ابن عابدین اس ضمن میں فرماتے ہیں۔ "لیکن اس کو امام کے منصب جیسے منصب پر متعین کرنا بلاشبہ صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی اہل نہیں ہے۔ بعض نادانوں کے اس خیال کے برعکس کہ اس کو امام مقرر کرنا درست ہے اور وہ اپنا نائب مقرر کرلے گی چونکہ کسی منصب پر تعین صحیح اس وقت ہوتا ہے جب کہ اہلیت پائی جائے اور نائب مقرر کرنا تو کسی منصب پر تعین کے صحیح ہونے کے بعد کی چیز ہے" (ردالمحتار علی الدرالمختار جلد ۲ صہ ۹۴)

ایک نبی پوری ملت اپنے پورے قبیلے یا گروہ کے لئے عظیم ترین رہنما ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمدؐ تک ایک لاکھ سے زیادہ انبیاء کرام اس دنیا میں بھیجے لیکن یہ سب کے سب مرد تھے، ان میں کوئی عورت نہ تھی۔ مسلمانوں کی پوری تاریخ میں کوئی عورت جمہوری طریقے سے منتخب ہو کر کسی اسلامی مملکت کی سربراہ نہیں بن سکی ہے۔ رضیہ سلطانہ اور چاند بی بی کی فرمانروائی موروثی بادشاہت تھی۔ محترمہ فاطمہ جناح کو صدر ایوب کے مقابلے میں کھڑا کرنا بی ڈی نظام کو ختم کرنا، آمریت کا خاتمہ کرنا اور نئے آئین کے تحت انتخاب کرانا تھا۔ ان نئے انتخابات میں محترمہ فاطمہ جناح کو کھڑا نہیں کرنا تھا۔ بایں ہمہ موصوفہ کے صدارت کے لیے انتخابات میں حصہ لینے پر مذہبی نقطہ نظر سے وسیع پیمانے پر اعتراضات کئے

گئے تھے اور آج تک اسے غلط تصور کیا جاتا ہے ۔ جماعت اسلامی نے (جو اس وقت کالعدم قرار دی جا چکی تھی اور مولانا مودودی جیل میں تھے) اس امر کی مشروط حمایت کی تھی کہ نئے آئین کے تحت محترمہ فاطمہ جناح کو سربراہ مملکت نہیں بنایا جا سکے گا۔ گویا محترمہ کو صرف ایوب خاں کو اقتدار سے ہٹانے کی خاطر ایک "مہرے" کی طور پر استعمال کیا جانا تھا۔ مولانا مودودی نے یہ بھی کہا تھا کہ صدر ایوب میں سوائے اس کے اور کوئی خوبی نہیں کہ وہ ایک مرد ہے اور محترمہ فاطمہ جناح میں سوائے اس کے اور کوئی کمزوری نہیں کہ وہ ایک عورت ہے !

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ گو شرعاً ایک عورت اسلامی مملکت کی سربراہ نہیں بن سکتی تاہم وہ مشیر بن سکتی ہے اور بہت سی سماجی اور معاشرتی اداروں کی ذمہ داریاں اس کو سونپی جا سکتی ہیں۔ وہ فلاح و بہبود کی انجمنوں کی سربراہ بن سکتی ہے ۔ وہ اسلامی معاشرے میں رائے مشورہ، تنقید و احتساب، اجتہاد و اظہار، تالیف و تصنیف اور مردوں کے برابر دوسرے حقوق رکھتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی عدالتیں قائم کرنے اور قضا و نفاذ قوانین کا حق بھی رکھتی ہے۔ امت کا یہ اتفاق کہ عورت کسی اسلامی مملکت کی سربراہ نہیں بن سکتی عورت سے کسی بیر یا حقارت و نفرت کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس کی فطری کمزوریوں (ڈِس ایبی لیٹیز) کے باعث انہوں نے اس کو اس بار گراں کے قابل نہیں سمجھا۔ علماء نے لکھا ہے "منصب امامت کا اہل وہی شخص ہو سکتا ہے جو دین کے اصول و فروغ میں مجتہدانہ بصیرت رکھتا ہو تاکہ ہر طرح کی فکر رکھنے والوں کو مطمئن کر سکے، معاملات میں ژرف نگاہ اور صلح و جنگ کی تدابیر سے پوری طرح واقف ہو ورنہ وہ دین و ملت کو پیش آنے والے مسائل حل نہیں کر سکے گا۔ انتہائی جری اور عزم و حوصلہ کا مالک ہو تاکہ کوئی قوت اس کو اپنے فرض کی ادائیگی میں مانع نہ بن سکے، ظاہر ہے قدرت یہ صفات مردوں ہی کے اندر پیدا کرتی ہے اور وہ بھی ہر ایک میں نہیں صرف معدودے چند افراد میں"۔ علامہ سعدالدین تفتازانیؒ شرح مقاصد میں لکھتے ہیں۔ "(عورت کیوں منصب امامت کی اہل نہیں ہے) اس لئے کہ عورتوں کی عقل اور دین (ان کی جسمانی قوت)، ناقص ہے اور ان کو فیصلہ کے مقامات (عدالتوں) اور جنگ کے محاذوں پر جانے کی اجازت نہیں ہے" (شرح مقاصد جلد ۲، صـ۲۰۳ شرح موافق جلد ۸ صـ۳۴۹)

۱۹۶۲ء میں ہمارے پے کمیشن کے ممبران نے حکومت سے سفارش کی تھی کہ سی ایس پی و دیگر اعلیٰ عہدوں پر خواتین کو فائز نہ کیا جائے طبّی نقطۂ نظر سے ہر عورت بلوغت سے لے کر زمانۂ یاس تک ہر ماہ ایک ہفتہ سے زیادہ عرصہ کے لئے درد سر، تکان، اعضاء شکنی، اعصابی کمزوری، اضمحلال طبیعت، خرابیٔ ہضم، عضلات میں سستی، ذہانت اور خیالات کو مرکوز کرنے کی قوت میں کمی، طبیعت میں

چڑچڑاپن، سینے میں درد اور ٹمیس اور ذہنی پراگندگی وغیرہ کا شکار رہتی ہے ۔ (ڈاکٹر امیل نووک، ڈاکٹر وانس کے سکائی اور یہ وفیسر کر سکے سکائی، پروفیسر لا نیسکی کتاب "دی ڈی ڈیلپ منٹ آف پرسنلٹی ان ومین" زمانہ حمل میں عورت کے قوٰی کسی طرح بھی جسمانی اور دماغی محنت کا وہ بار نہیں اٹھا سکتے جو حمل کے ماسوا دوسرے ایّام میں سنبھال سکتے ہیں۔" (ڈاکٹر ریبریف) ، ڈاکٹر فشر کے مطابق "ایک تندرست عورت بھی حمل کے زمانے میں سخت نفسی اضطراب میں مبتلا رہتی ہے ۔ اس میں تلون پیدا ہو جاتا ہے، خیالات پریشان رہتے ہیں، شعور اور غور و فکر اور سمجھ بوجھ کی صلاحیت بہت کم ہو جاتی ہے" ہولاک ایلس اور البرٹ مول و دیگر ماہرین کی متفقہ رائے یہ ہے کہ زمانہ حمل کا آخری ایک مہینہ تو ہرگز اس قابل نہیں ہوتا کہ اس میں عورت سے کوئی جسمانی یا دماغی محنت لی جائے۔" ("پردہ" از مولانا مودودی) ۔
بچّے کی پیدائش کے بعد بھی کم از کم ایک ماہ تک عورت کو ان کیفیات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہی وہ حقائق ہیں کہ جن کی بنا پر دنیا بھر میں عورتوں کو وضع حمل سے قبل ۳ ماہ کے لئے "زچگی رخصت" دے دی جاتی ہے ، علاوہ ازیں اسلام میں عورت کے لئے شوہر کی وفات یا طلاق کی صورت میں سوا چار ماہ کی "عدّت" کی پابندی ہے ۔
اب ایک معمولی عقل کا انسان بھی اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ ایک ایسا شخص کہ جس کی زندگی میں ہر ماہ اور ہر سال عدم صلاحیت کارکردگی کے طویل دورے پڑتے ہوں اور کئی کئی ماہ وہ پابند خانہ رہنے پر مجبور ہو، وہ ایک سلطنت کا سربراہ کیسے بن سکتا ہے ! کیا فوجوں کی کمان اس کے حوالے کی جا سکتی ہے ! کیا اس کی جسمانی و دماغی قابلیتوں پر ہمہ وقت بھروسہ کیا جا سکتا ہے ؟
عورت کی یہی وہ "ڈس ایبی لیٹیز" (کمزور پہلو) ہیں جن کی بنا پر روسی حکومت نے ۴۶۰ سے زیادہ ملازمتوں یا شعبوں کے لئے خواتین کو ناموزوں قرار دے دیا ہے ۔ چین کے عظیم رہنما ماؤزے تنگ نے "جدید چین" کتاب کے صفحہ نمبر ۲۰۷ پر لکھا ہے "تقسیم کار کے وقت اس امر کا خیال رکھا جائے کہ عورتوں کی خصوصی جسمانی مشکلات کیا ہیں" امریکہ میں خواتین کو حساس شعبوں سے ہٹایا جا رہا ہے۔
آخر میں یہ عرض کر دوں کہ مس بے نظیر بھٹو اپنی کم عمری ، ذہنی ناپختگی، مغربی تعلیم و تربیت ، مذہب کو انسان کا ایک پرائیویٹ معاملہ قرار دینے کی پالیسی، اسلام کی جگہ سوشلزم اور بھٹو ازم ملک میں نافذ کرنے کا اعلان و دیگر ایسے لادینی نظریات کے باعث اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سربراہ بننے کی بہرحال اہل نہیں ہیں اگرچہ اضطراری حالات میں اسلام کے لئے ایک عورت کی سربراہی کو برداشت یا قبول کرنے کی گنجائش موجود ہے ۔

---

(۲)

کھیلوں کے پردے میں فحاشی

مکرمی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سلام مسنون

میں آپ کی توجہ اس جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اسلام آباد میں بیڈمنٹن کیلئے ایک جمنیزیم بنایا گیا ہے جس میں بین الاقوامی مقابلے منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں بیرونِ ملک سے آئی ہوئی لڑکیاں مختصر نیکر میں بیڈمنٹن کھیلتی اور اُچھل کُود کا مظاہرہ کرتی ہیں جو پوری تفصیل اور کلوز اَپ کے ساتھ ٹیلی وِژن پر دکھایا جاتا ہے۔

معمولاً ہر جمعہ کے روز صبح کے وقت ٹی وی پر بین الاقوامی کھیلوں کی مفصّل فلم دکھائی جاتی ہے۔ جس میں مختصر لباس میں لڑکیاں دوڑیں لگاتی ہوئی اور ہرڈلز پھلانگتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ میں پھر عرض کروں کہ یہ پروگرام عین جمعہ کے مبارک دِن نشر ہوتا ہے۔ اور پھر جمعہ کی نماز کے بعد بین الاقوامی کُشتیاں دکھائی جاتی ہیں۔ بے شک کھلاڑی مرد ہی ہوتے ہیں لیکن آخر مَرد کا بھی تو ایک ستر ہوتا ہے میرا خیال ہے کہ لوگ اس بات کو بھُول چکے ہیں کہ حدیث کے مطابق ناف سے گھُٹنے تک مَرد کا ستر ہوتا ہے — اور کوئی اس طرف توجہ بھی نہیں دِلاتا۔

کوریا میں ابھی پچھلے دنوں بین الاقوامی کھیلیں ہوئی ہیں۔ جو پُوری جُزئیات کے ساتھ ہمارے ٹی وی نے بھی دکھائی ہیں۔ جس میں مردوں کے علاوہ لڑکیاں مختصر اور ناکافی لباس میں تیراکی تک کرتی دکھائی گئی ہیں۔

اور جو بہت بڑا معاملہ سامنے ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان میں ورلڈ کپ کے مقابلے منعقد کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ چنانچہ وہ سب کچھ جواب تک ٹی وی پر دیکھا جاتا ہے، عملی طور پر نظروں کے سامنے ہوگا۔ یہ کھیلوں کے پردے میں اس قوم کے اندر عُریانی اور فحاشی کو پھیلانے کی ایک منظّم سازش ہے۔ کیا شریعت بِل کے لئے تحریک چلانے والے عُلماء اس طرف بھی کچھ توجہ فرمائیں گے۔

والسلام

مصباحُ الایمان

خلف الرشید جناب نعیم صدیقی صاحب (مدیر ترجمان القرآن)

فہمِ قرآن

اور

خصوصاً قرآن کے منضبط اور مربوط مطالعہ کے ضمن میں ——

ڈاکٹر اسرار احمد

کی نشری (ریڈیو) تقاریر پر مبنی ایک اہم تصنیف

قرآن مجید کی سورتوں کا اجمالی تجزیہ

(سورہ الفاتحہ تا سورہ الکہف)

ضرور مطالعہ کیجیے

◎

اعلیٰ سفید کاغذ ○ عمدہ کتابت ○ دیدہ زیب طباعت

ہدیہ : ۱۰ روپے

ڈاکٹر اسرار احمد

نے اپنی دوسری دینی اور علمی خدمات کیساتھ ساتھ شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں

ایک اصلاحی تحریک

بھی برپا کی اور — خطبۂ نکاح — کو صرف ایک رسم

کی بجائے واقعی تذکیر و نصیحت اور معاشرتی زندگی سے متعلق اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا ذریعہ بنایا

اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی ایک اہم تحریر اور ایک خطبۂ نکاح کو دیدہ زیب کتاب کی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔

بڑے سائز کے ۴۸ صفحات ○ عمدہ دبیز کاغذ ○ دیدہ زیب کور ،

ہدیہ : ۴ روپے ——— محصول ڈاک علاوہ

ڈاکٹر اسرار احمد

کی تالیف —

استحکامِ پاکستان

اشاعت خاص ۳۰ روپے

اشاعت عام ۱۲/- روپے

دینی بک اسٹال سے طلب فرمائیں یا براہ راست درج ذیل پتہ پر لکھیں

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن
فون : ۸۵۲۶۱۱

پاکستان کیوں بنا — کیسے بنا
پاکستان کیوں ٹوٹا — کیسے ٹوٹا
اب ٹوٹا تو - - - - - -
پاکستان کی تاریخ کا حقیقت پسندانہ تجزیہ
اندھیروں میں امید کی ایک کرن
لفظ لفظ میں — وطن کی محبت
سطر سطر میں — ایمان کی چاشنی
عمل کا پیغام - - - - - - - -

اس کتاب کا مطالعہ خود بھی کیجئے اور اسے زیادہ سے زیادہ عام کیجئے

THE ROARING LION OF AGRO-CHEMICAL INDUSTRY

BUBBER SHER UREA ®

THERE ARE PEOPLE WHO DO THINGS, AND THERE ARE PEOPLE WHO DO THINGS WELL.

AT DAWOOD HERCULES WE DO THINGS WELL ! RIGHT FROM OUR INCEPTION 12 YEARS AGO WE'VE BEEN ENGAGED IN A TREMENDOUS OUTPUT, ENSURING BETTER AND HEALTHIER CROPS AND STRENGTHENING THE NATIONAL ECONOMY DURING THIS TIME WE'VE :

a. PRODUCED 4,000,000 TONS OF BUBBER SHER UREA.
b. SAVED MORE THAN US $ 750,000,000 IN FOREIGN EXCHANGE FOR PAKISTAN.
c. CONTRIBUTED RS. 2000,000,000 TO THE NATIONAL TREASURY IN THE FORM OF DEVELOPMENT SURCHARGE, DUTIES AND TAXES.
d. SAVED FERTILIZER SUBSIDY WORTH RS. 3000,000,000 IN OUR PRODUCTION WHICH WAS USED BY THE GOVERNMENT TO SUBSIDIZE FERTILIZER PRICES, GIVING AN ENORMOUS BENEFIT TO THE FARMER.

BROADLY SPEAKING WE ARE COMMITTED TO A BETTER QUALITY OF LIFE FOR OUR PEOPLE AND WE ARE DEVOTING OUR VAST TECHNOLOGICAL RESOURCES AND AGRO-CHEMICAL KNOW-HOW TO PROVIDING A VITAL INPUT FOR DEVELOPING HEALTHIER CROPS.

WE FEEL PROUD OF THESE ACHIEVEMENTS, AND SHALL CONTINUE TO PLAY OUR KEYROLE IN THE DEVELOPMENT OF AGRICULTURE AND ECONOMY OF PAKISTAN.

dh CHEMICALS

DAWOOD HERCULES CHEMICALS LIMITED
MAKERS OF BUBBER SHER UREA

DAWOOD CORPORATION LIMITED
DISTRIBUTERS OF BUBBER SHER UREA

promoters

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اے اللہ . . . . .

ہم عاجز ہیں ——— تو قوی ہے
ہم ظالم ہیں ——— تو رحیم ہے
ہم گناہ گار ہیں ——— تو بخشنے والا ہے

ہم نے تجھ سے یہ ملک مانگا تھا کہ یہاں تیرے کلمے کو بلند کریں گے
تیری کتاب کے احکامات پر عمل کریں گے
تیرے آخری نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کریں گے
لیکن ہم نے ——— اُس عہد کو پامال کر دیا
ہم نے اپنی خواہشات اور مال و دولت کو اپنا معبود بنا لیا
ہم تجھے بھول گئے
لیکن تو ہمیں فراموش نہ کر

ہمیں توبہ کی توفیق عطا کر دے

ہماری خطاؤں کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے

الداعی الی الخیر: میاں عبدالواحد
بھگوان سٹریٹ
پرانی انارکلی لاہور

(1130)

مقابل ہے آئینہ

کراچی کی آگ کو بھڑکانے میں کس کس کا ــــ کتنا کتنا حصّہ ہے ؟
سقوطِ مشرقی پاکستان کے پندرہ برس بعد ــــ سندھ کیوں جل رہا ہے ؟
پنجابی سندھی کشمکش ــــ مہاجر پٹھان تصادم کیوں بن گئی ؟

کیا اِس شر میں کچھ خیر بھی ہے ؟

سیاسی محرومیوں، انتظامی بے تدبیریوں، حکمرانوں کے آمرانہ طرزِ عمل، اپنوں کی مہربانیوں اور غیروں کی سازشوں کا ــــ بے لاگ تجزیہ

اصلاحِ احوال کی مثبت تجاویز

امیر تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** کا تازہ سلسلۂ مضامین

استحکامِ پاکستان اور مسئلۂ سندھ

کتابی صورت میں دستیاب ہے

ہر دردمند پاکستانی کے لیے اِس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے

---

۱۴۴ صفحات، سفید آفسٹ کاغذ، قیمت صرف ۱۵/- روپے

ملنے کا پتہ : ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: ۸۵۲۶۸۳

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
سہراب
SOHRAB

MONTHLY
MEESAQ
LAHORE

Regd. L. No. 7360
Vol. 36 No. 4
APRIL 1987

For Quality Products

ASIA
BATHROOM ACCESSORIES

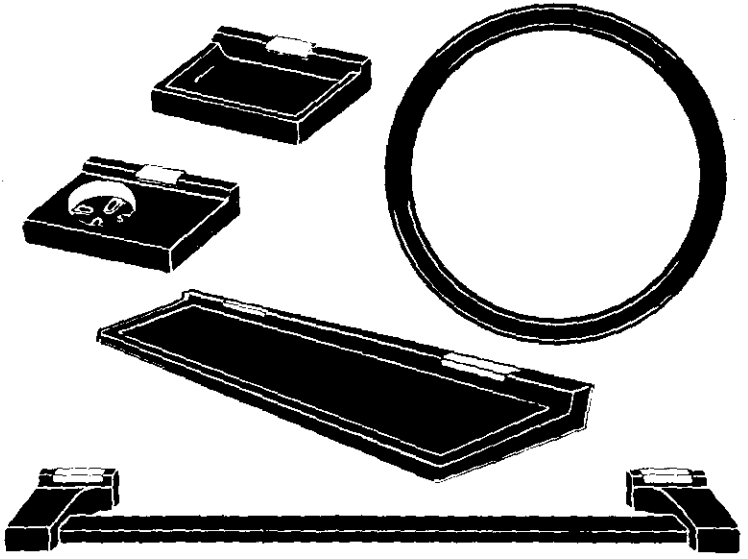

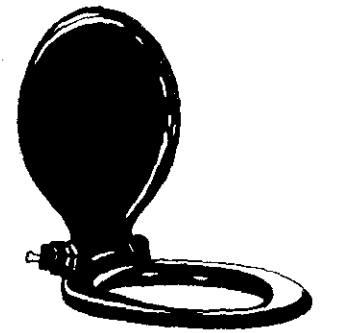

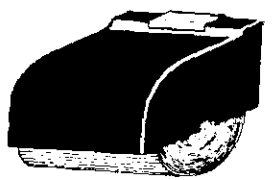

API

ASIA PLASTIC INDUSTRIES LAHORE